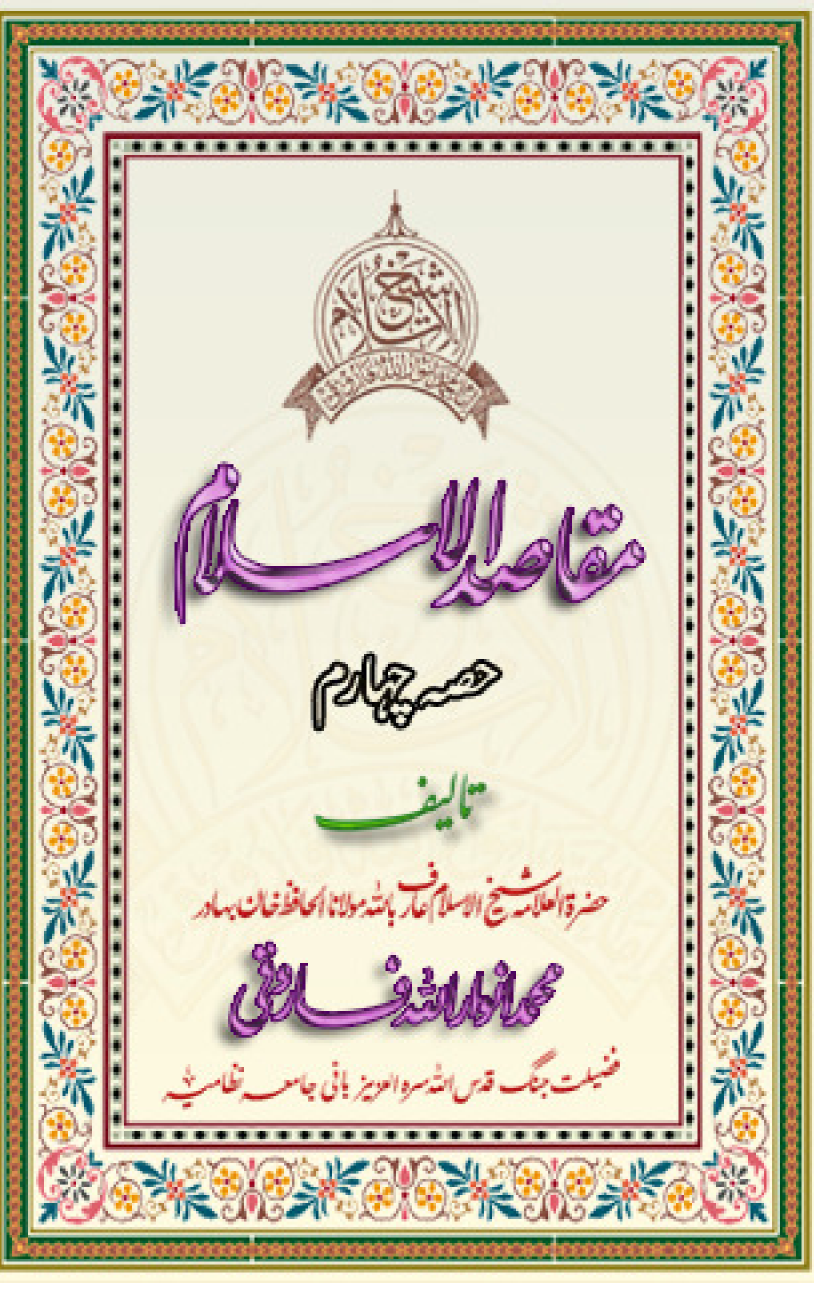

شیخ الاسلام
مقاصد الاسلام
حصہ چہارم
تالیف
حضرت العلامہ شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا الحافظ خان بہادر
محمد انوار اللہ فاروقی
فضیلت جنگ قدس اللہ سرہ العزیز بانی جامعہ نظامیہ

فہرست مضامین



تحصیل علوم عربیہ حسب نصاب نظامیہ

نصاب نظامیہ قدیمہ کے ابقا و برقرار رکھنے کے متعلق حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد انوار اللہ فضیلت جنگ قدس اللہ سرہ العزیز سابق صدر الصدور و معین المہام امور مذہبی کو خاص اہتمام تھا۔ چنانچہ مدرسہ نظامیہ میں جہاں صدہا طلبہ دور دراز و بلاد و امصار سے آ کر تحصیل علوم اور دستار فضیلت سے سرفراز و بہرہ یاب ہوئے اور ہوتے جا رہے ہیں، مولانا ممدوح نے اسی نصاب پر تدریس جاری رکھی، اور اس نصاب کی فضیلت اور اولیت و مقبولیت کے متعلق جو مضمون تحریر فرمایا ہے وہ سابق ازیں اہل ندوہ نے رسالہ ''الندوہ'' لکھنو بابتہ ماہ شعبان سنہ ۱۳۲۲ھ میں شائع کر دیا ہے اب دوبارہ اس کی وضاحت بلحاظ افادہ عام کر دی جاتی ہے:

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ انسان کی شرافت محض علم سے ہے جس کی وجہ سے وہ تمام حیوانات میں ممتاز ٹھہرا اور ہمارے دین میں جس قدر فضائل وارد ہیں محتاج بیان نہیں، اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ نماز، روزہ، حج، زکاۃ و جہاد وغیرہ عبادات سے اس کے افضل ہونے میں متعدد احادیث وارد ہیں،

اسی وجہ سے اصحاب صفہ تمام دنیا کے کاروبار چھوڑ کر فاقہ پر فاقہ کھینچتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در فیض گستر سے مفارقت گوارا نہ کرتے۔

اس وقت ''علم'' صرف قرآن شریف میں تھا یا جو کچھ حضرت ﷺ کا ارشاد ہوتا، غرض جو کچھ سنتے خوب یاد رکھ لیتے اور اپنے ملاقاتیوں کو پہونچا دیتے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنھم کا زمانہ آیا مختلف زبانوں کے لوگوں کے اختلاط کی وجہ سے عربی زبان پر برا اثر پڑنے لگا جس سے اس کی حفاظت کی فکر ہوئی، چنانچہ حساب ارشاد حضرت علی کرم اللہ وجھہ علم نحو کی بنیاد ڈالی گئی اس وقت تک جس قدر علم تھا سب زبانی تھا بمصداق اس قول کے:

علم در خلد خویش نہ در جلد میش

لیکن آخری صدی میں کتابت احادیث کی شروع ہوگئی اور حدیث شریف کی کتابیں مدوّن ہونے لگیں، پھر جیسا جیسا زمانہ گزرنے لگا نئی نئی ضرورتیں پیش ہوتیں اور علماء اس کو انجام دیتے۔ چونکہ اسلامی سلطنت اعلی درجہ کی تمدنی حالت پر تھی اور قاعدہ ہے کہ تمدنی ضرورتیں مختلف شعبوں سے انجام پاتی ہیں اس لئے بحسب مناسبت طبع ایک ایک جماعت نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لیا، کسی نے قرآن کی طرف توجہ کی جس سے علم قراءت،

تجوید اور رسم الخط وغیرہ علوم متعلقہ قرآن مدون ہوئے، کسی نے تفسیر قرآن کا ذمہ لیا، کسی نے الفاظ قرآن وحدیث کی حفاظت کے لئے صرف ونحو و لغت وغیرہ کی طرف توجہ کی، کسی نے معانی قرآن وحدیث سے متعلق قواعد مرتب کر کے علم معانی واصول فقہ وغیرہ ایجاد کیے، کسی نے الفاظ احادیث نبویہ صحیح صحیح طور پر جمع کرنے کی فکر کی جس سے فن حدیث ورجال واصول حدیث مدوّن ہوا، ایک جماعت نے یہ خیال کیا کہ آیات و احادیث میں ناسخ ومنسوخ وغیرہ ہونے کی وجہ سے ہر کسی کو یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ عمل کس آیت وحدیث پر کیا جائے اس لئے انہوں نے آیات و احادیث اقوال وافعال صحابہ کو پیش نظر رکھ کر مسائل کا استنباط کیا جس سے علم فقہ مدوّن ہوا، کسی نے تہذیب اخلاق ظاہری و باطنی کے مسائل مستنبط کر کے علوم اخلاق وتصوف ایجاد کئے۔

غرض ہزار ہا علماء اپنے فرض منصبی میں مشغول ہوئے اور ہر طرف طلباء جوق در جوق ترقی علوم میں مشغول تھے کہ دوسری صدی میں فلسفہ عربی میں آدھمکا۔ پہلے ہی سے انسان کی طبیعت فلسفہ پسند ہے جیسا کہ ابن خلدونؒ نے لکھا ہے:

العلوم علی صنفین علم طبیعی للانسان یهتدی الیه بفکره

وهى العلوم الحكمية الفلسفية

پھر بہ ھیئت مجموعی اس کے پیش نظر ہو جانے سے یکبارگی طبیعتیں اس کی طرف مائل ہوگئیں اور اسلام پر اس کا برا اثر پڑنے لگا، چنانچہ معتزلہ وغیرہ نے بہت کچھ اس سے مدد لی اور خلط مبحث کر دیا، اس فتنہ کو دفع کرنے کے لئے علماء کاملین کو توجہ کی ضرورت ہوئی چنانچہ انہوں نے یونانی کتابوں کا ترجمہ کر کے ایک ذخیرہ فلسفہ کا علماء کے روبرو رکھ دیا جس سے ان کو ان ہی کی کتابوں سے رد کرنے کا موقع ملا اور علم کلام مدون ہوا، ہر چند یہ علم اسلام کے حق میں فی نفسہ مضر ہے لیکن اس وجہ سے کہ بات بات میں اس کی تدقیقات بھری ہوئی ہیں اور آدمی بالطبع قوت عقلیہ بڑھانے پر مجبول ہے، اکثر علماء نے اس طرف توجہ مبذول کی اور اس سے کام لے کر خصم پر غلبہ حاصل کیا۔ چونکہ یہ کام بھی علماء کے اعلی طبقہ کا فرضی منصبی تھا اس لئے تکمیل علوم میں یہ فن بھی بجائے شرط قرار دیا گیا۔ جب اعلی درجے کی ترقی علوم کی ہوئی تو قابل استناد اور کامل وہی شخص سمجھا جاتا کہ ان تمام علوم وفنون میں ماہر ہو۔

جب وہ زمانہ آگیا کہ ہر فن کی کتابیں بکثرت تصنیف ہوگئیں اور پڑھنے پڑھانے والے حیران ہوئے کہ کونسی کتابیں داخل نصاب تعلیم

ہوں تو ہر فن کے ماہر اور متجر د علماء نے یہ کام اپنے ذمہ لیا کہ بحسب ضرورت تدریس کے قابل کتابیں تصنیف کریں، چنانچہ بعضوں نے متون اس غرض سے لکھے کہ ان کا یاد کرنا آسان ہو، اور ان میں التزام کیا کہ قابل اعتماد مسائل چھوٹے چھوٹے فقروں میں ہوں جیسے کافیہ وشافیہ و تلخیص وغیرہ، کسی نے مشکل کتابوں کی تصنیف کا التزام کیا اس غرض سے کہ طلبہ کے ذہنوں کو دشوار مضامین سمجھنے اور احتمالات جدیدہ کے پیدا کرنے کی عادت ہو۔ غرض محققین نے خاص خاص اغراض کو پیش نظر رکھ کر مختلف مذاق کی کتابیں فراہم کردیں۔ اور اکابر علماء مدرسین نے جس کو مفید سمجھ نصاب تعلیم میں داخل کیا کہ جس کی وجہ سے شروح وحواشی ان پر اس غرض سے لکھے گئے کہ ان کا پڑھنا آسان ہو۔ غرض جیسے جیسے کتابیں تصنیف ہوئیں بحسب ضرورت واغراض ماہرین فن ان کو داخل نصاب اور بے ضرورت کتابوں کو خارج کرتے رہے، اس وجہ سے ہر زمانہ اور ملک میں نصاب کی ترمیم ہوا کی، یہاں تک کہ مولانا نظام الدین صاحبؒ لکھنوی کا زمانہ آیا۔ چونکہ آپ اس زمانہ کے گویا شیخ الشیوخ تھے خاص خاص ضروری اغراض پیش نظر رکھ کر ایسا مفید نصاب ٹھہرایا کہ جو شخص اس کی تکمیل کرے جمیع علوم میں اس کو اس قدر مہارت حاصل ہوجاتی ہے کہ

ہرفن کی کتاب خود مطالعہ سے نکال لیتا ہے، پھر اگر کسی خاص فن میں کمال حاصل کرنا چاہے تو بطور خود حاصل کرسکتا ہے۔ چنانچہ صدہا بلکہ ہزار ہا علماء اسی نصاب کی بدولت ایسے نامی وگرامی نکلے جو شہرہ آفاق ہیں۔ اس نصاب میں ایک عمدہ فائدہ یہ ہے کہ ملکہ جامعیت علمی حاصل ہو جاتا ہے۔ دوسری ولایتوں میں طلبہ کو جامعیت بہت کم حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ ہرفن کے صدہا بلکہ ہزار ہا مسائل ہوتے ہیں سب کو ازبر کرکے ہر ایک فن میں کمال حاصل کرنا قریب محال کے ہے، شاید ہزاروں میں کوئی ایسا ہوگا کہ جو ایام طالب علمی میں سب فنون میں کمال حاصل کرے۔

دوسری غرض اس نصاب سے یہ ہے کہ ذہن کو اس بات کی عادت ہو کہ ایک بات سے دوسری بات پیدا کرلے اور مناظرہ میں ایسے احتمالات قائم کرسکے جو مسکت خصم ہوں اس کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ فلاسفہ اور دوسرے مذہب وملت کے لوگ ہمیشہ ہمارے دین پر حملہ کیا کرتے ہیں اور ان کا جواب دینا علماء ہی کا فرض منصبی ہے، پھر جب ایام تحصیل ہی میں اس کی عادت ہو جائے تو احتمالات قائم کرکے خصم کو ساکت کرنا آسان ہوتا ہے۔ علم کلام کی کتابوں سے ظاہر ہے کہ ہمارے علماء نے فلاسفہ وغیرہ کے جوابات میں اکثر یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ جزء لایتجزی کا مسئلہ جو

کتب کلامیہ میں شائع ہے اس کا منشا یہی ہے کہ جب حکماء نے ہیولیٰ
ثابت کر کے قدم عالم وغیرہ تفریعات اس پر جمائیں جن کا ہمارے دین
پر بڑا اثر پڑتا تھا، متکلمین نے یہ احتمال قائم کر دیا کہ ممکن ہے کہ بجائے
ہیولیٰ مادۂ عالم اجزائے لا یتجزیٰ ہوں جس سے ہیولی کے متفرعات کا ابطال
ہو جائے۔ اسی طرح اور مسائل میں بھی اکثر کہا جاتا ہے کہ لما لا یجوز
ان یکون کذا الغرض خصم کے دلائل میں احتمالات پیدا کر کے ان کو
ثابت نہ ہونے دینا بھی ایک بڑا کام ہے۔ چونکہ مذہب باطلہ کا شیوع
مولانائے موصوف کے پیش نظر تھا انہوں نے اس نصاب میں اس کا لحاظ
زیادہ تر رکھا اور فوقانی درجہ کے لئے ایسی کتابوں کا انتخاب کیا جس سے یہ
غرض پوری ہو۔ اور یہ خیال صرف انہیں کو نہ تھا بلکہ ایک زمانہ دراز سے چلا
آتا تھا اور علمائے معتبرین ایسی تصانیف کر گئے جن سے اس بات کا سلیقہ
حاصل ہو، مثلاً قطبی اور میر زاہد میں شمسیہ کی اس عبارت پر العلم اما
تصور فقط وھو ضمیر ''ھو'' پر کئی احتمال اور ہر ایک میں ردوقدح
خوب کی گئیں تاکہ طلباء کو مضامین میں خوض کرنے اور دلائل وجوابات اور
احتمالات پیدا کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔ اسی طرح ملا جلال وتصنیفات میر
زاہد وغیرہ جو فوقانی درجہ میں رکھی گئیں ان سب سے یہی غرض ہے کہ اس

قسم کی باتیں فن کے حاصل کرنے سے حاصل نہیں ہوتیں، کیونکہ ہر فن کے مسائل اکثر بطور قواعد کلیہ ہوتے ہیں اس کے استعمال کا طریقہ علمی طور پر جب تک نہ بتایا جائے معلوم کرنا مشکل ہے، ان کتابوں میں گویا فن مناظرہ کی مشق کرائی جاتی ہے کہ دلیل اس طرح قائم کرتے ہیں، اور اس کارد اس طرح کیا جاتا ہے، اور خصم کو یوں ساکت کیا کرتے ہیں۔ پھر اس ضمن میں ہر فن کے مسائل دقیقہ کا بھی استحضار وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ اگرچہ کتاب کسی فن کی ہوتی ہے مگر نظر طالب علم کی ہر طرف پڑتی ہے اور دقیق دقیق مسائل کا تذکرہ ہوتا جاتا ہے اور غیر مانوس مضامین سمجھنے کی عادت ہوتی جاتی یہاں تک کہ کیسا ہی ناآشنا مضمون پیش کیا جائے فوراً ذہن نشین ہوجاتا ہے۔ اس نصاب میں مسائل علمیہ حاصل کرنے کا پہلا درجہ مقرر کیا گیا ہے اس وجہ سے اکثر متون تحتانی درجہ میں رکھے گئے ہیں، طالب علم جب ان کو سمجھ کر پڑھ لیتا ہے تو ہر علم کے ضروری مسائل مستحضر ہوجاتے ہیں، پھر فوقانی کتابوں میں ان کا اعادہ مع شئی زائد ہوجاتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ باوجود متون پڑھ لینے کے لیاقت حاصل نہیں ہوتی! سو وہ طلبہ یا اساتذہ کی کم توجہی کے سبب سے ہے، نصاب کا اس میں کوئی قصور نہیں۔

یہاں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کتابیں متاخرین کی ہیں قدماء کی کتابیں ان سے بہتر ہیں!! اس کا جواب یہ ہے کہ فی الواقع قدماء کو فضیلت ہے مگر ان کا مقصود تصانیف سے صرف مسائل فن کو جمع کر دینا تھا، اور متاخرین نے خاص خاص اغراض پیش نظر رکھ کر تعلیم کے واسطے کتابیں لکھیں اور مختلف فیہ مسائل میں وہی قول اختیار کیا جو متفق علیہ ہو، یہ بات قدماء کی تصانیف سے حاصل نہیں ہوتی اس لئے کہ ان کے معاصرین اور متاخرین نے مسائل میں جو اختلاف کیا ہے اس کا قول فیصل ان میں نہیں، اسی طرح وہ اغراض جو ابھی بیان کئے گئے ان سے حاصل نہیں ہو سکتے، اور قاعدہ کی بات ہے کہ جو کچھ بہت تجربوں اور تلاحق انظار کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ زیادہ تر مفید ہوتا ہے، اور یہی قابل تسلیم ہے فکہ ہر فن تلاحق افکار و انظار سے روز بروز ترقی پذیر اور مہذب ہو جاتا ہے جس سے اکثر متاخرین کی کتابیں زیادہ مسائل پر حاوی ہیں، اس صورت میں مستند متاخرین کی کتابوں کو چھوڑ کر قدماء کی کتابیں پڑھانا مثلاً مختصر المعانی اور مطول کو چھوڑ کر دلائل الاعجاز پڑھانا تقریباً ایسا ہی ہے جیسے اس زمانہ میں فائر بکس کی جگہ قدیم دیا سلائی کی تلاش کرنا جس کو کوئی عقلمند پسند نہ کرے گا۔

اور اس نصاب کی مقبولیت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ حال کا ذکر

ہے کہ مدرسہ نظامیہ میں اس سال جب جلسہ دستار بندی کا ہوا اور طلبہ کی سندوں پر علماء نے دستخطیں کر کے ان کو دیں تو اسی شب میں ایک بزرگ نے جو مشائخین عظام سے ہیں خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور کل اسناد اس غرض سے طلب فرما رہے ہیں کہ خود بھی ان کو اپنے دستخط خاص سے مزین فرما دیں، جن حضرات کے نزدیک اس قسم کے خوابوں کی وقعت ہے وہ خیال فرما سکتے ہیں کہ یہ نصاب کس قدر قابل قدر ہے!

ان وجوہات پر اگر خیر خواہان قوم غور و انصاف کی نظر ڈالیں تو میری رائے میں نصاب موجودہ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ اسباب تنزل علوم میں تھوڑی سی بحث کروں، لیکن اس کے پہلے اسباب ترقی معلوم کرنے کی ضرورت ہے جس سے بمصداق **تعرف الاشیاء باضدادها** اسباب تنزل خود پیش نظر ہو جائیں گے۔ تقریر سابق سے یہ بات معلوم ہوئی کہ احادیث نبویہ سے جس قدر علم کی فضیلت ثابت ہے کسی عبادت کی نہیں (ص ۲۰ دیکھا جائے) اس لئے جب تک اسلامی جوش مسلمانوں کے دلوں میں تھا اور دین کو دنیا اور جمیع تلذذات نفسانیہ پر مقدم رکھتے تھے علوم کی روز افزوں

ترقی تھی۔

فن رجال سے یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ جس قدر قدماء نے تحصیل علم میں سعی کی اگر اس زمانہ کی طبیعتوں کے لحاظ سے دیکھی جائے تو طاقت انسانی سے خارج معلوم ہوتی ہے، صدہا منازل پیادہ پا بغیر زاد راہ کے طئے کرنا اور فاقہ کشی اور افلاس کی حالت میں سالہا سال ثابت قدم رہنا ان ہی حضرات کا کام تھا، کتاب ''علماء سلف'' میں اس کی کئی نظریں موجود ہیں، لکھا ہے کہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث کی خاطر کئی رات اور کئی دن پا پیادہ چلتے رہے۔ حافظ ابوالعباس رازی رحمۃ اللہ علیہ باجود یکہ مادر زاد نابینا تھے مگر تحصیل علم کے واسطے بلخ اور بخارا اور نیشا پور اور بغداد کی سیاحت اختیار کی۔ غرض یہ حضرات دین میں اس کی زیادہ ضرورت سمجھ کر تحصیل علم میں جانفشانی اور جانبازی کرتے تھے۔ پھر یہ ذوق وشوق صرف علماء ہی میں نہ تھا بلکہ عموماً مسلمانوں کے دلوں میں جوش زن تھا اسی وجہ سے علماء کی مجلسوں میں ہزار ہا اشخاص رہتے تھے، چنانچہ کتاب ''علمائے سلف'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے ایک وسیع میدان میں منبر کے ایک مرتفع جگہ بنائی گئی تا کہ اس پر بیٹھ کر املائے حدیث کریں، مجلس مثل میں امیر المومنین مامون الرشید اور تمام

امرائے خلافت حاضر تھے، جو لفظ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے نکلتا اس کو امیر المومنین خود اپنے قلم سے لکھتے جاتے تھے، اس مجلس کے حاضرین کا اندازہ کیا گیا تو چالیس ہزار تھے۔

امام عاصم ابن علی رحمۃ اللہ علیہ املائے حدیث کے واسطے بغداد سے باہر ایک بلند چبوترہ پر بیٹھتے تا کہ دور تک آواز پہونچے، خلیفہ متعصم باللہ نے ایک بار اپنا معتمد اس مجلس کے شرکاء کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا، اس نے ایک لاکھ بیس ہزار کا اندازہ کیا۔ ایسی مجالس میں کئی شخص فاصلہ فاصلہ پر کھڑے رہ کر بہ آواز بلند الفاظ شیخ کو نقل کیا کرتے۔ اور اس کی نظائر اور بہت سی کتب رجال میں مذکور ہیں جن سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں عموماً علم کا شوق تھا، اور علماء کو اعلی درجہ کی وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ بڑا سبب اس کا یہ تھا کہ قرب زمانہ نبوی کی وجہ سے کل مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ ہماری دین اور دنیا کی بھلائی خدا اور رسول ہی کی اطاعت سے متعلق ہے جس کے معلوم کرنے کے لئے علماء کی ضرورت ہے، جب عموماً قوم کا یہ خیال ہو اور علماء کی اس قدر، قدر اور منزلت ہو تو طلبہ کے حوصلہ جس قدر بڑھتے ہوں گے اور کیسی کیسی جانفشانیوں سے علم حاصل کرتے ہوں گے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جہاں جس چیز کی قدر

ہوتی ہے اس کو فراہم کرنے والے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ ہزارہا اشخاص ایسے تھے کہ خالصاً لوجہ اللہ علم حاصل کرتے اور قوم سے اس کا معاوضہ کچھ نہ لیتے، مگر بہت سے ایسے بھی ہوں گے کہ علماء کی قدر و منزلت ان کو تحصیل علم پر آمادہ اور مجبور کرتی ہوگی بہرحال خواہ خلوص سے ہو یا قوم کی توجہ سے ہو ہزارہا افراد قوم روز افزوں ترقیاں کر کے کمال حاصل کرتے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قوم کی توجہ اور قدردانی بھی اعلیٰ درجہ کی محرک تحصیل کمال کے لئے ہے۔

اور ایک وجہ ترقی علم کی توجہ سلاطین ہے، ابھی معلوم ہوا کہ خلیفہ مامون رشید سلیمان ابن حرب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہو کر جو وہ فرماتے تھے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے! ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ جس قوم کا بادشاہ مجالس علم میں حاضر ہو کر عوام کے برابر بیٹھے اور اپنے ہاتھ سے لکھے اس قوم کی ترقی علم کس درجے کو پہونچے گی۔ پھر صرف ظاہری اور زبانی قدردانی نہ تھی بلکہ اعلیٰ خدمات اور عہدوں کے مستحق علماء ہی سمجھے جاتے تھے جس کا حال تاریخ دانوں پر پوشیدہ نہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو صرف یہی ایک سبب تحصیل کمال اور ترقی علم کے لئے کافی و وافی ہے۔ گورنمنٹ کی سلطنت میں دیسی تعلیم یافتہ اعلیٰ خدمات کے مستحق نہیں

سمجھے جاتے، باوجود اس کے انگریزی میں کمال حاصل کرنے میں کس قدر سعی کی جاتی ہے اور کتنے لوگ مشغول ہیں؟! پھر جہاں اعلیٰ درجے کی خدمات علوم سے وابستہ ہوں وہاں کیا حال ہو۔ غرض اس تقریر سے اسباب تنزل علوم بھی معلوم ہوگئے ہوں گے، پھر نصاب مقررہ پر یہ الزام لگانا کہ باعثِ تنزلِ علوم وہی ہے بالکل واقع اور عقل کے خلاف ہے۔

اب ان اسباب ترقی کے بعد مجھے اسباب تنزل کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں، مگر ایک بات البتہ قابل بیان ہے وہ یہ ہے کہ تنزل کی بنیاد کا پہلا پتھر فلسفہ تھا جب سے اس کا منحوس قدم مسلمانوں میں آیا، اسلامی خیالات میں تغیر آ گیا، مذاہب باطلہ کو ہتھیار مل گئے، خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں، علماء کو سخت مصیبت کا سامنا ہوا، ترقی کے خیالات اس بلا کے روکنے کی طرف مائل ہوگئے، مناظرہ کی کتابیں لکھیں، تعلیم کے طریقے ایجاد کئے تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں ان پرکاربند ہوں اور خصم پر غالب رہیں۔ غرض تجربوں اور پیش بینیوں سے قوم کے لئے ایک سرمایہ کافی تیار کردیا۔ فلسفہ چونکہ طبعی فن ہے جس کا حال اوپر معلوم ہوا اس لئے وہ ہر وقت ایک نئے لباس میں ظہور کرتا رہا، اس زمانہ میں جس رنگ میں ظاہر ہوا ہے اس کو دیکھ کر فلسفۂ سابق کی نسبت بے اختیار ’’رحمت برنباش اول‘‘

زبان پر جاری ہوتا ہے! کیونکہ تصانیف الشیخ الرئیس شفاء اشارات وغیرہ سے ظاہر ہے کہ حکمائے سابق کو توحید میں کمال درجہ کا غلو تھا، تعدد وجباء کو بڑی شدومد سے رد کیا، تنزیہ میں وہ مسلک اختیار کیا جو ضرورت سے زیادہ تھا، نبوت اور جزا وسزا کے ضروری ہونے پر دلائل قائم کئے، معجزات وکرامات اولیاء کو عقلی طریقے سے ثابت کیا سات آسمانوں کا وجود جیسا کتب سماوی میں تھا باقی رکھا، اسی طرح اور اسلامی مسائل کا ثبوت ملتا ہے، گو اسلامی طریقہ سے کسی قدر ہٹے ہوئے ہیں۔

مگر آج کل کے فلسفہ کو دیکھئے تو عجیب مطلق العنانی ہے، نہ واجب الوجود سے کام، نہ نبوت کا ذکر، نہ آسمانوں وغیرہ کا وجود! تمام عالم کا دارومدار نیچر پر ہے، نبوت ایک قوت کا نام ہے جو نجار اور لوہار وغیرہ میں بھی موجود ہے!! غرض اس فلسفہ میں کسی عقیدہ اسلامی سے تعلق ہی نہیں، اور مسلمانوں میں وہ اس قدر سرایت کرتا جاتا ہے کہ تپ دق کی طرح اس کا احساس بھی نہ رہا، کیونکہ اگر کچھ احساس ہوتا تو علماء اُس کے دفعیہ کی طرف مثل قدماء کے توجہ کرتے، برخلاف اس کے ان کے تیار کئے ہوئے سامان کی بربادی کی فکر ہو رہی ہے۔ اگر ندوۃ العلماء لکھنو کو اس وقت تقلیل مدت ختم نصاب کی ضرورت کسی دینی غرض سے پیش ہو تو اسکی تدبیر

یہ ہوسکتی ہے کہ اس غرض کے لئے خاص نصاب کا انتخاب کرے مگر نصاب مقررہ میں کوئی تغیر نہ کیا جائے، اور جو طلبہ للّٰہیت یا مذاق طبعی کی وجہ سے اس نصاب کو ختم کرنا چاہیں تو ان کو اس سے محروم نہ کریں، بلکہ ان کے ممنون ہونا چاہیئے کہ ایک بڑی غرض ہماری وہ پوری کرتے ہیں۔

اس زمانہ میں قوم کی توجہ طلبہ کی طرف جس قسم کی ہے ظاہر ہے، اور دوسرے اسباب ترقی علوم کی حالت بھی چھپی ہوئی نہیں، اس پر جو طلبہ علوم عربیہ کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اپنے اوطان کو چھوڑ کر دینی مدارس میں اپنی عمر کا ایک معتد بہ حصہ صرف کرتے ہیں اور ان کو اس جفاکشی و جاں فشانی پر آمادہ کرنے والی سوائے اس کے اور کیا چیز ہے کہ اسلامی علوم کو باقی رکھنا چاہتے ہیں، اور ان کی علوئے ہمت کا یہ حال کہ نصاب مقررہ سے اگر ایک کتاب کم کی جائے تو راضی نہیں بلکہ اس فکر میں ہوتے ہیں کہ دور دراز کا سفر اختیار کرکے تکمیل کرلیں، ان میں اکثر لوگ ایسے ہیں کہ انگریزی وغیرہ پڑھنے کی ان کو ترغیب دی جائے تو ہرگز راضی نہیں ہوتے، اگر ولایت کوئی چیز ہے تو ان آثار و اَمارات سے ان کو اولیاء اللہ کہنا بے موقع نہ ہوگا۔ اس زمانہ میں اس سے بڑھ کر کیا خرق عادت ہوسکتی ہے کہ دنیا طلبی کے علوم کو چھوڑ کر یہ حضرات فقر و فاقہ میں خوش اور اپنے کام میں

مشغول ہیں اور ان کے مقصود میں اگر کوئی حارج ہو تو اس کو اپنا اور دین کا دشمن سمجھتے ہیں۔

مدرسہ نظامیہ کے طلبہ نے جب الندوہ کا پرچہ دیکھا جس میں نصاب موجودہ کی خرابی کی گئی ہے تو سخت برہم ہوئے اور برے الفاظ سے اس کو یاد کیا۔ ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ان خرابیوں کے جو اکثر مسلمانوں میں آگئی ہیں اب تک بھی حق تعالی کو منظور ہے کہ اس امت مرحومہ میں ایسے افراد پیدا ہوں جو قوم کے پیشوا بنیں، اور دین اسلام کی حمایت کرکے مخالفوں کے مکائد سے امت کو بچائیں۔ کیونکہ اس اولو العزمی کا سوائے اس کے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا ہوئی ہے بظاہر کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔

اگر ان حضرات کی نسبت تمام مسلمانوں کے ساتھ لگائی جائے تو اس وقت شاید پچاس ہزار کے مقابلہ میں بھی ایک ہوگا یا نہ ہوگا، کیونکہ تمام ہندوستان میں دینی مدارس خود معدودے چند ہیں، اور ان میں شوقین و مستقل مزاج طلبہ چند ہی ہوں گے، اگر ایسی نازک حالت میں علماء بھی اس بات کے درپے ہوجائیں کہ یہ لوگ اپنے مقصود میں (جو درحقیقت تمامی خیرخواہان ملت کا مقصود ہے اور ہونا چاہیئے) کامیاب نہ ہوں تو قوم

کی حالت پر سخت افسوس کا مقام ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقاصدالاسلام۔۴

﴿علمائے دین کی ضرورت اوران کی فضیلت﴾

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام علی سيدنا محمد وآله واصحابه اجمعين.

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ہر دین چند اعتقاد اور اعمال کا نام ہے، جن کی وجہ سے وہ دوسرے ادیان سے ممتاز ہوتا ہے، اور وہ دینی عقائد کسی میں نہ پائے جائیں تو وہ اس دین کا آدمی نہ سمجھا جائے گا۔ مثلاً یہودی خدا اور تمام انبیاء کے قائل ہیں جس کو عیسائی مانتے مگر عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کے چند خاص عقائد کو نہ ماننے کی وجہ سے وہ عیسائی نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اور ادیان کا حال ہے، اور ہر دین والے کا طبعی مقتضا ہے کہ اپنے دین کو باقی رکھنے اور شائع کرنے میں کوشش کرتا ہے۔

دنیا میں کوئی دین اور مذہب والی قوم ایسی نہیں کہ اپنے دین اور مذہب کی حفاظت میں جان و مال سے کوشش نہیں کرتی، جو قومیں دنیوی حیثیت

سے مہذب سمجھی جاتی ہیں انہوں نے اسباب میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے، چنانچہ پوپ جو دینی صیغہ کا افسر ہوتا ہے بجائے خود ایک مستقل رئیس ہے جس کو قومی اعانتوں کی وجہ سے مالی ضرورتوں میں سلطنت کی طرف کوئی احتیاج نہیں، باوجود اس کے سنا جاتا ہے کہ ہندوستان کے خزانہ سے پچاس لاکھ روپیہ دین عیسوی کی تعلیم میں صرف ہوتا ہے حالانکہ اصل باشندگان ملک کو اس تعلیم سے کوئی تعلق نہیں!! اسی طرح ہندوؤں کی مذہبی تعلیم ہندوستان میں شائع اور ذائع ہے۔ اس مشاہدے سے ثابت ہے کہ ہر قوم اور ہر سلطنت خواہ مہذب ہو یا غیر مہذب اپنے دین اور مذہب کی قدر داں ہے اور اس کی حفاظت اور اشاعت میں دریغ نہیں کرتی، برخلاف اُن کے ہمارے حضرات اہل سنت والجماعت سلمہم اللہ تعالیٰ اس کو چنداں ضروری نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اس پر قرینہ یہ ہے کہ تھوڑے ہی سال پہلے ہندوستان میں بہت سے دینی مدارس قائم تھے اور اب صرف معدودے چند رہ گئے ہیں جن کا شمار انگلیوں پر ہوسکتا ہے۔ اور ان کی بھی یہ حالت ہے کہ اگر دنیوی مدارس کے ساتھ ان کا موازنہ کیا جائے تو ہر لحاظ سے کالعدم سمجھے جائیں گے! اس سے ظاہر ہے کہ جو مذہب اس کس مپرس حالت میں ہو اس کا انجام کیا ہوگا۔

اسی کو دیکھ لیجئے کہ عموماً اہل اسلام باشندگان ہندودکن اہل سنت و جماعت تھے، اور اسی چالیس پچاس سال کے عرصے میں کتنے مذاہب باطلہ بن گئے! ان میں جتنے فرقے مختلف ناموں سے پکارے جاتے ہیں سب اہل سنت و جماعت سے نکلے ہوئے لوگ ہیں، کیونکہ ان میں نہ ہندو شریک ہوئے نہ یہود و نصاریٰ نہ شیعہ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جس قدر ان مذاہب باطلہ کی مردم شماری ہے وہی تعداد ان اشخاص کی ہے جو ہمارے مذہب سے خارج ہو گئے ہیں اور روز بروز ان کی تعداد بڑھتی اور سنیوں کی تعداد گھٹتی جاتی ہے۔ اگر ہماری کثیر التعداد قوم متوجہ ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے فرقے ہمارے عزیز و اقارب کو ہم سے چھین سکتے؟۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کے مذہب کی حفاظت اور اشاعت اس زمانے میں صرف علماء ہی سے متعلق ہے، کیونکہ ہر مذہب و ملت والا شخص اپنے مذہب کی ترقی چاہتا ہے۔ چنانچہ مذہب آریہ وغیرہ کے عالم جاہلوں پر ان کے مذہب کی خرابی اپنے مذہب کی عمدگی تحریر و تقریر سے ثابت کرتے رہتے ہیں، اگر ان کا جواب مذہب کی طرف سے نہ دیا جائے تو جہلا تو کیا متوسط اور کم درجے کے علماء بھی متزلزل ہوتے جاتے ہیں۔ اگر اعلیٰ درجے کے علماء مذہب میں نہ ہوں جو ہر قسم کے اعتراضوں کے جواب دے سکیں تو

ظاہر ہے کہ آریہ وغیرہ جو ہر فن میں کمال حاصل کرتے ہیں اقسام کے اعتراض کر کے مذہب کو اہل مذہب کے خیالوں میں کم دقعت بلکہ بے اصل ثابت کردیں گے جس سے مذہب کا باقی رہنا ممکن نہ ہوگا، اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہے

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم موت العالم ثلمۃ فی الاسلم (کذا فی کنزل العمال)

یعنے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عالم کی موت اسلام میں ایک رخنہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک اس عالم کا کوئی جانشین نہ ہو اس رخنے کا انسداد نہیں ہوسکتا۔ اب زمانۂ سابق اور حال کو صرف سرسری نظر سے دیکھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ اُس زمانے میں ایک ایک عالم کے جانشین ان کے صدہا شاگرد ہوتے تھے، اور اب جو مشہور اور دین کی حفاظت کرنے والے علماء کا انتقال ہوتا ہے تو ان کا قائم مقام ایک بھی نہیں ہوتا حالانکہ ہر زمانے میں مسلمانوں کو علماء کی اشد ضرورت ہے، جیسا کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہے

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ان مثل العلماء کمثل النجوم فی السماء یھتدی بھا فی ظلمات البر و البحر فاذا

انطمست النجوم او شک ان یضل الهداة. کذافی کنز العمال :۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: علماء کی مثال ایسی ہے جیسے آسمانوں میں ستارے جن جنگل اور سمندر میں لوگ راستہ پاتے ہیں اگر ستارے نہ رہیں تو جو لوگ راستہ پر ہیں وہ بھی راہ گم کردیں گے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ علماء ہی کے انفاس کی برکت ہے کہ ہر وقت جو شبہات اور وساوس شیاطین والجن والانس مسلمانوں کے دلوں میں ڈالتے رہتے ہیں وہ دفع ہوجاتے ہیں' اگر ان حضرات کی صحبت میسر نہ ہوتو اس تاریکی کے زمانے میں بہت سے لوگ گمراہ ہوجائیں۔ تائید دین میں ان حضرات کی سعی مجاہدین کی کوشش سے کم نہیں' چنانچہ حدیث شریف میں ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوزن یوم القیامة مداد العلماء ودم الشهداء فیرجح علیهم مدادالعلماء علی دم الشهداء کذافی کنزالعمال یعنے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ علماء نے جس سیاہی سے لکھا ہے وہ اور شہیدوں کے خون قیامت کے روز وزن کیے جائیں گے اُس وقت ان کی سیاہی کا ہی وزن غالب ہوگا۔ کیوں نہ ہو؟ مجاہدین نے جو ملک اپنی جانبازی سے فتح کیا تھا علماء کی جان فشانیوں سے اس میں اسلام باقی رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ طالب علم مجاہد فی

سبیل اللہ سے بھی افضل ہے کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: طالب العلم افضل من المجاهد فی سبیل اللہ اور دوسری حدیث شریف میں ہے: العلم افضل عند الله من الصلاة والصيام والحج والجهاد فی سبیل الله تعالیٰ (کذافی کنزالعمال)

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: علم اللہ تعالی کے نزدیک نماز اور روزہ اور حج اور جہاد سے بھی افضل ہے اور یہ بھی حدیث شریف ہے

قال النبی صلی الله علیه وسلم : العلم افضل من العبادة (كذا فی کنز العمال)

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم عبادت سے افضل ہے۔اس کی وجہ دوسری حدیث شریف میں معلوم ہوتی ہے

قال النبی صلی الله علیه وسلم : العلم حياة الاسلام وعماد الدين (كذا فی کنز العمال)

یعنے علم اسلام کی حیات اور دین کا ستون ہے۔ظاہر ہے کہ جس چیز سے اسلام کی حیات اور بقاء متعلق ہو اس سے عبادت کیونکر افضل ہو سکے! کیونکہ کل عبادتوں کا مدار اسلام ہی پر ہے اور اسلام کا مدار علم پر۔غرض کہ علم کی فضیلت جس قدر بیان کی جائے تھوڑی ہے، اور جو حدیثیں لکھی گئیں

''مشتے نمونہ از خروارے'' ہیں۔

ان تمام حدیثوں سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر ہے کہ ہر زمانے میں اہل اسلام علم کی تحصیل اور اس کے باقی رکھنے کا اہتمام سب عبادتوں سے زیادہ کریں جس سے خدا و رسول کی خوشنودی حاصل ہو۔ اب غور کیجئے کہ جب یہ ضرورت اور فضیلت علم ہر زمانے میں رہی ہے تو اِس زمانے میں کس قدر اِس کی ضرورت اور فضیلت جملہ عبادات پر ثابت ہوگی، کیونکہ اِس پر آشوب زمانے میں علوم جدیدہ کی آندھی پرانے دینی خیالات کو درہم و برہم کرنے والی ہر طرف سے اٹھ رہی ہے، آریہ اور ملاحدہ وغیرہ اعتراضوں کی بوچھاڑ ہمارے دین پر ہر طرف سے کر رہے ہیں جن کے جواب سوائے چند علماء کے ہر عالم بھی نہیں دے سکتا، اور معترضوں کی جماعتیں اپنی قومی سرمایہ کے ذریعہ ترقی کرتی جاتی ہیں اور ہمارے مقدس دین اور مذہب کے افراد کو ہم سے چھین کر اپنے قبضے میں لے رہی ہیں۔ برخلاف ان کے نامی گرامی علماء جو انتقال کرتے جاتے ہیں ان کی جگہ نہ کوئی ان کا قائم مقام ہوتا ہے اور نہ اس کی فکر قوم کی طرف سے کی جاتی ہے!! اگر یہی حالت اور چند روز رہے تو آئندہ آنے والی نسلوں کو ہمارا دین و مذہب پہنچنے کی کیا صورت ہوگی؟! عموماً قوم کی کم

توجہی سے دینی مدارس کی جو حالت ہے وہ اظہر من الشمّس ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ ہر مسلمان پر اسلام کا حق ثابت ہے جس کا کوئی انکار کر نہیں سکتا۔ اور حیات اسلام یعنے علم پر جو حالت گزر رہی ہے اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ اور باوجود اس کے کہ ہماری قوم میں بفضلہٖ تعالیٰ اتنا سرمایہ موجود ہے کہ آئندہ آنے والی نسلوں تک علم کو محفوظ رکھ کر پہنچا سکتے ہیں، اگر ہماری کم توجہی سے خدانخواستہ حیات اسلام یعنے علم مفقود ہو جائے تو خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو سخت شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت تک ہماری قوم میں ایسے افراد بہ کثرت موجود ہیں کہ اسلام کی برکت سے ہر کار خیر میں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ چنانچہ نئی مسجدیں، پل، مسافر خانے، گنبدیں وغیرہ اکثر بنائی جاتی ہیں، اور کوچہ گرد فقیروں کو روپیہ و کپڑوں سے اعانت کی جاتی ہے، مگر اس خیال والے حضرات بہت کم ہیں کہ علم پر جس کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات اسلام فرمایا ہے کیا گذر رہی ہے اور کس کس مپرس حالت میں پڑا ہوا ہے۔ مدارس دینیہ میں جو طلبہ دور دراز سے سفر کر کے تحصیل علوم کے لئے آتے ہیں مگر چونکہ آمدنی اس قدر نہیں کہ سو ڈیڑھ سو طلباء کی جمیع حوائج

پوری ہوسکیں اس لئے ان کو صاف جواب دیا جاتا ہے جس سے وہ محروم واپس ہوجاتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ وہ ہیں جن کی کمال درجے کی وقعت خدائے تعالیٰ کے نزدیک مسلّم ہے، جیسا کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہے

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ان الملائکہ تبسط اجنحتھا لطالب علم (کذا فی کنز العمال)

یعنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ طالب علموں کے قدموں کے نیچے فرشتے پر بچھاتے ہیں۔ اورایک حدیث شریف میں ہے

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : مرحبا لطالب العلم ان طالب العلم لتحفہ الملائکۃ وتضللہ باجنحتھا ثم یرکب بعضھا بعضاً حتی تبلغ سماء الدنیا من محبتھم لما یطلب (کذا فی کنز العمال)

یعنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفریں ہے طالب علم کو، گھیرے ہوئے اتنے فرشتے اس کے سر پر ہوتے ہیں کہ آسمان تک پہنچ جاتے ہیں یہ اس چیز کی محبت کے سبب سے ہے جس کو وہ طلب کرتا ہے یعنے یہ قدر اس کی علم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اب دیکھئے کہ جس کی یہ قدر عالَم

علوی میں ہو اس کی پرورش میں روپیہ صرف ہو تو کیا عام کوچہ گرد فقراء کو دینے اور پختہ مسجدیں اور گنبدیں بنانے کے برابر بھی اس کا ثواب نہ ہو گا؟ اور کیا خدا اور رسول کی خوشنودی جو اور امور خیر سے مقصود ہے اس میں حاصل نہ ہو گی؟! بزرگان دین کا ارشاد ہے کہ انسان وہ ہے جو خیر الخیرین میں تمیز کرے، یعنے جب دو قسم کے نیک کام پیش ہوں تو ان میں سے اس کام کو پہچان کر اختیار کرے جو دونوں میں زیادہ بہتر ہو۔

دیکھئے حدیث شریف سے ثابت ہے کہ پانی کا صدقہ سب سے افضل ہے مگر جن شہروں میں کہ پانی کے نل جاری ہیں بخیال ثواب اگر کوئیں کھدوائیں جائیں تو کیا شرعاً قابل تحسین ہوں گے! خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ دوسرا کار خیر جو دین میں اہم ہے درپیش ہو۔ اسی طرح اگر دار المساکین بنائے جائیں جس میں اندھے لنگڑے وغیرہ معذور رکھے جائیں تو وہ کیا طالب علموں کے دار الاقامت سے بہتر ہوں گے؟ ہرگز نہیں، اس لئے کہ معذوروں کو روزانہ اس قدر آمدنی ہے کہ صرف کھانے کپڑے پر دار المساکین میں رہنے کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ بخلاف ان کے طلباء کو کسی قسم کا کھانا کپڑا مل جائے تو وہ اس کو جاگیر سمجھ کر کمال درجے کے ممنون ہوتے ہیں۔ پھر علاوہ اس کے ان کی پرورش سے اسلام کی

حیات متصور ہے اور آئندہ آنے والی نسلوں تک دین و مذہب پہونچانے کا ذریعہ ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے جو غرض ہے یعنے اشاعت اسلام ان ہی سے پوری ہوتی ہے۔اب غور کیا جائے کہ اس زمانے میں خیر الخیرین اور افضل دار المساکین ہوگا یا دار الاقامت محتاج طلبہ کا؟!۔

﴿بہترین صدقہ اور کار خیر اشاعت علم دین﴾

اور حدیث شریف میں ہے

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ما تصدق الناس بصدقة افضل من علم ینشر (کذا فی کنز العمال)

یعنے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی نے ایسا صدقہ نہیں دیا جو علم کے پھیلانے سے افضل ہو۔ دیکھ لیجئے اشاعت علم میں جو روپیہ صرف کیا جائے گا اس کا ہر قسم کے صدقات سے افضل ہونا اس حدیث شریف سے ثابت ہے۔ تحصیل علوم کے خیال سے جو طلبہ مصائب شاقہ اٹھا کر سفر دور دراز اختیار کرتے ہیں ان حضرات نے تو اپنا حق اسلامی ادا کیا جو حق تعالیٰ فرماتا ہے

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ.

جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک جماعت مسلمانوں کی علم سیکھنے کی غرض سے نکلے اور بعد تحصیل علم کے اپنے قوموں میں واپس جا کران کو احکام اسلام معلوم کرائیں جس سے ان کوخوف خدا پیدا ہوا، جس طرح ان طلباء نے حق اسلام اپنے ذمے کا ادا کیا اگر ہمارے ملک کے اہل خیر بھی اپنے ذمے کا حق اسلام ادا کریں یعنے صرف زکاۃ ان کے اخراجات میں دیا کریں تو ان کو مدارس سے محروم واپس ہونے کی نوبت نہ آئے گی اور اس ضمن میں دو اسلامی حق ادا ہو جائیں گے: ایک زکاۃ دوسرا تائید اور ابقاء اسلام ایسے زمانے میں جب کہ اسلام نہایت غریب اور کس مپرس حالت میں ہورہا ہے۔

زکاۃ اسلام کا ایک ایسا ضروری اور مستحکم حق ہے کہ جس کو اسلام کا دعویٰ ہو وہ اس سے ہرگز بری نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ 0 يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ0

یعنے جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دو جس وقت کہ اس سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کے ماتھے اور پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے جو تم اپنے لئے دنیا میں جمع کیا کرتے تھے تو اپنے کئے کا مزہ چکھو۔

﴿زکاۃ وصدقات ادا نہ کرنے والے کا عذاب﴾

اور احادیث جو اس باب میں وارد ہیں بکثرت ہیں۔ چند حدیثیں یہاں لکھی جاتی ہیں: اخرج البخاری ومسلم وابوداود وابن منذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ

عن ابی هريرة رضی الله تعالی عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يؤدی حقها الا جعلت له يوم القيامة صفائح ثم احمی عليها فی نار جهنم ثم يكوی بها جنبه وجبهته وظهره فی يوم كان مقداره خمسين الف سنة حتی يقضی بين الناس فيری سبيله اما الی الجنة واما الی النار(كذا فی الدر المنثور)

یعنے بخاری اور مسلم وغیرہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے پاس سونا و چاندی ہو اور وہ اس کا حق ادا نہ کرے یعنی زکاۃ نہ دے تو قیامت کے روز اس کی تختیاں بنا کر دوزخ کی آگ میں تپائی جائیں گی پھر اس سے داغ دیئے جائیں گے اس کے پہلو اور پیشانی اور پیٹھ پر یہ معاملہ اس کے ساتھ پچاس ہزار برس تک ہوتا رہے گا جو قیامت کے دن کی مدت کا اندازہ ہے یہاں تک کہ تمام لوگوں کے مقدمات حساب و کتاب وغیرہ کا فیصلہ ہو اس کے بعد اگر دوزخی ہو تو دوزخ میں ڈالا جائے گا اگر جنتی ہو تو جنت میں داخل ہوگا۔

واخرج ابو یعلیٰ وابن مردویه عن ابی هريرة رضی الله عنه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا یوضع الدینار علی الدینار والدرهم علی الدرهم ولکن یوسع الله جلده فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَـذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُواْ مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ0

یعنے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ یہ خیال مت کرو کہ اس مال سے داغ دیتے وقت دینار پر دینار اور درہم پر درہم رکھا جائے گا بلکہ اس شخص کا جسم اتنا چوڑا کیا جائے گا کہ ہر ایک درہم دوسرے درہم سے اور ہر دینار دوسرے دینار سے علحدہ رہے گا۔ مقصود یہ ہے کہ جس قدر بے زکاۃ مال

زیادہ ہو عذاب کا احساس زیادہ ہو۔

اور ابن حجر نے زواجر میں یہ حدیث نقل کی ہے

عن ابن ماجه واللفظ له والنسائی باسناد صحيح و ابن خزيمه فی صحيحه عن ابن مسعود رضی الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : ما من احد لا يؤدى زكاة ماله الا مثل له يوم القيامة شجاعا اقرع حتىٰ يطوق به عنقه، ثم قرء علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم : وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهٖ هُوَ خَيْراً لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ وفى رواية مسلم : من اقام الصلاة ولم يؤت الزكاة فليس بمسلم ينفعه عمله.

یعنے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص زکاۃ نہ دے قیامت کے روز اس کا مال ایک زہریلے سانپ کی شکل میں بنا کر اس کی گردن میں مثل طوق ڈالا جائے گا، پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

جس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے مال دیا ہے اور وہ بخیلی کرتے ہیں یعنے زکاۃ نہیں دیتے وہ یہ خیال نہ کریں کہ ان

کے حق میں وہ بھلا ہے بلکہ بہت برا ہے قریب ہے کہ قیامت کے دن اس کا طوق ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔ غرض کہ مختلف طور پر اس مال سے عذاب دیا جائے گا، اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو شخص نماز پڑھے اور زکاۃ نہ دے وہ مسلمان نہیں اس کو کوئی عمل نفع نہ دے گا۔

ورودی احمد وابوداؤد والترمذی والدار قطنی

ان امرأتين اتتا رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى ايديهما سواران من ذهب فقال لهما أتوديان زكاته فقالتا لا فقال لهما رسول الله صلى الله عليه وسلم اتحبان ان يسوركما الله سوارين من نار قالتا لا قال فأديا زكاته.

كذافى الزواجر۔ یعنے ایک بار دو عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئیں جن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے حضرت نے ان سے پوچھا کیا: تم ان کی زکاۃ دیتی ہو؟ کہا نہیں، فرمایا: کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دو آگ کے کنگن تمہیں پہنائے؟ کہا نہیں، فرمایا: تو اس کی زکاۃ دیا کرو۔

﴿زکاۃ، ہر قسم کے ٹیکس سے اقل ترین ہے﴾

اور زواجر میں یہ روایت بھی ہے

قال النبی صلی اللہ علیه وسلم : حصنوا اموالکم بالزکاۃ وداووا مرضاکم بالصدقۃ (رواہ الطبرانی و ابو نعیم والخطیب)

یعنے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے: اپنے مالوں کے لئے زکاۃ سے قلعہ بناؤ، یعنے زکاۃ دینے سے مال محفوظ رہتا ہے، اور بیماروں کی دوا صدقہ سے کیا کرو۔ اور زواجر میں یہ روایت ہے جس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے کہ محمد ابن یوسفؒ کہتے ہیں کہ چند تابعینؒ کے ساتھ وہ ابوسنان کی ملاقات کو گئے تو انہوں نے کہا کہ ہمارے ہمسایہ میں ایک شخص کا انتقال ہو گیا ہے چلو اس کی تعزیت کر آئیں! جب ہم سب گئے تو دیکھا کہ ایک شخص زار زار رو رہا ہے اور بیقرار ہے بہت کچھ تسکین اور تسلی کی باتیں کیں مگر اس کی حالت میں کچھ تغیر نہ ہوا، آخر بہت اصرار کیا گیا تو اس نے بیان کیا کہ مجھے کیونکر تسکین ہو میرے بھائی پر تو صبح و شام عذاب ہو رہا ہے! ہم نے کہا کیا تم کو غیب کی بات معلوم ہوتی ہے؟ کہا نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب میں نے اس کو دفن کیا اور لوگ چلے گئے تو میں تھوڑی دیر ٹھہرا رہا اس عرصے میں اندر سے آواز آئی کہ ہائے لوگ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے اور میں عذاب کی سختیاں اٹھا رہا ہوں حالانکہ میں نماز پڑھتا تھا اور روزے رکھتا تھا! یہ سن کر میں بہت رویا اور بے اختیار میرا جی چاہا کہ قبر کھول کر دیکھوں جب مٹی

نکالی تو دیکھا کہ اپنے بھائی کے اطراف آگ دہک رہی ہے اور اس کی گردن میں آگ کا طوق پڑا ہوا ہے اس کا طوق نکالنے کی غرض سے میں نے بے اختیاری سے ہاتھ بڑھایا چونکہ وہ فی الحقیقت آگ تھی میرا ہاتھ جل گیا، چنانچہ اس نے ہاتھ دکھلایا کہ جل کر سیاہ ہوگیا تھا، اس کے بعد میں مٹی اس پر ڈال کر واپس آ گیا اب بتائیے کہ مجھے کیونکر تسکین ہو؟! ہم نے پوچھا کہ زندگی میں تمہارے بھائی کے کس قسم کے عمل تھے؟ کہا کہ وہ زکاۃ نہیں دیتا تھا، ہم نے کہا حق تعالیٰ نے اس آیۂ شریفہ کی تصدیق کرادی جو ارشاد ہے

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

اور تمہارے بھائی پر قیامت سے پہلے عذاب شروع ہوگیا۔ پھر ہم ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور یہ قصہ بیان کر کے پوچھا کہ یہود و نصاریٰ مرتے ہیں مگر اس قسم کا واقعہ کبھی سنا نہیں گیا! انہوں نے فرمایا کہ ان کے دوزخی ہونے میں کوئی شبہ نہیں خدائے تعالیٰ نے تمہیں مسلمانوں میں سے ایک شخص کی حالت دکھلا دی تا کہ عبرت حاصل کرو، حق تعالیٰ فرماتا ہے

فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ أَنَاْ عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ۔

بخاری اور مسلم وغیرہ میں اس مضمون کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ہی بعض قبائل عرب نے کہا کہ ہم نماز روزہ وغیرہ اوامر شرعیہ بجالائیں گے مگر صرف زکاۃ نہیں دیں گے، اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کرنے کا ارادہ کیا، عمرؓ نے عرض کیا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس کی جان و مال محفوظ ہوگئی! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دلائل قائم کیئے جن کی عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ نے تسلیم کیا، چنانچہ زکاۃ نہ دینے والے مسلمانوں سے جہاد کیا گیا۔ غرض کہ اسلام میں زکاۃ ایک ضروری اور لازمی حق ہے۔

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو جو نعمتیں حق تعالیٰ نے خاص مسلمانوں کے لئے اس عالم میں مہیا کر رکھی ہیں جن کا ذکر جا بجا قرآن شریف میں ہے ایسی بیش بہا ہیں کہ اگر تمام مال بھی ان کے حاصل کرنے کے لئے خرچ کیا جائے تو کم ہے، پھر وہ نعمتیں چند روز کے لئے نہیں بلکہ ابد الآباد اور ہمیشہ روز افزوں رہیں گی، ایسی بیش بہا اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے اگر چند سال تھوڑا تھوڑا مال

بارگاہ کبریائی میں گذرانا جائے تو کونسی بڑی ات ہوگی!! پھر خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس میں آسانی اور تخفیف کس قدر کی ہے کہ اگر سو (۱۰۰) روپئے مثلاً کسی کے پاس رہیں تو صرف بیس (۲۰) یا اکیس (۲۱) پیسے ماہانہ کے حساب سے اپنے ہی مصالح قومی میں صرف کریں جن کا ذکر بتصریح قرآن شریف میں ہے اور اس حق کا مطالبہ کس نرمی اور تلطف سے فرماتا ہے کہ کیسا ہی بخیل ہو بشرط ایمان دل وجان سے اس کے ادا کرنے پر راضی ہو جائے چنانچہ ارشاد ہے قولہ تعالیٰ

إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضاً حَسَناً يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيْمٌ

یعنے اللہ کو قرض دوگے تو وہ کئی گنا کرکے تم کو دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ شکر گزار یعنے قدرداں اور بردبار ہے۔

﴿اغراض وجوب زکاۃ﴾

مصارف زکاۃ جو حق تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں ان میں پہلے فقراء اور مساکین یعنے مفلسوں اور محتاجوں کا ذکر ہے۔ دیکھئے جب عام فقراء و مساکین کو ان کی پرورش کی غرض سے زکاۃ دینا بحسب آیت شریفہ ضروری ہوا تو جو فقراء اور مساکین ایسے ہوں جن سے علم دین کی اشاعت

اور دین کی تائید اور آئندہ آنے والی نسلوں تک علم اور دین پہونچانا متعلق ہو ان کی پرورش کس قدر لازمی ہوگی۔ دین کی موجودہ حالت یہ بات ثابت کر رہی ہے کہ اس وقت دینی کاموں میں اس سے بہتر اور ضروری کوئی کام نہیں کہ طلبۂ علم دین کی حوصلہ افزائی ہو جس سے جوق جوق طلبہ علوم دینیہ حاصل کرنے کے لئے آئیں اور اپنے حوائج ضروریہ کی فکر سے فارغ البال ہوکر تحصیل اور اشاعت علوم میں ساعی رہیں اور بحسب ضرورت متعدد مدرسے کھولے جائیں۔ اور یہ کوئی مشکل بات نہیں، سو روپے میں سے سالانہ ڈھائی روپے دینے سے یہ سب کچھ ہوسکتا ہے! غور کیا جائے کہ ہم تک دین جو پہونچا ہے اس کے قائم کرنے کے لئے ہمارے اسلاف نے مال تو کیا اپنی جانیں بھی دے دیں، تو کیا ہمارے نزدیک اس کی اتنی بھی قدر نہ ہو کہ دو تین آنے دے سکیں؟ اہل اسلام کی نسبت یہ خیال ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ان کو دین کی اتنی بھی قدر نہیں، بلکہ اس میں ہم ہی لوگوں کا قصور ہے، اگر ہم اسلام کی موجودہ حالت پوری پوری ان کے پیش نظر کر دیں اور اشاعت علم کے فوائد اور اس میں کس قدر خدا و رسول کی خوشنودی ہے ان کے گوش گزار کریں تو پھر دیکھئے کہ کس طرح توجہ ان کی اس طرف مبذول ہوتی ہے۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے

سر دست واعظوں کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کے مجمعوں میں جا کر ان کو دین کی حقیقت اور اس کی تائید و اعانت کی ضرورت پیش نظر کر دیں۔

السعیُ منا و الِاتمام من اللّٰه، وما توفیقنا الا باللّٰه۔

چہل حدیث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد وآله واصحابه اجمعین۔

چونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص چالیس حدیثیں یاد کرے تو اس کا حشر علماء کے ساتھ ہوگا۔ اس لئے فضائل علم میں چالیس احادیث منتخب کر کے جمع کی گئی ہیں، گو ان کے سوا بھی اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں:

(١) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : العلم افضل من العبادة (خط وابن عبد البر فی العلم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم عبادت سے افضل ہے۔

(۲)عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم: العلم حیاة الاسلام وعماد الدين (ابو الشيخ)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اسلام کی زندگی اور دین کا ستون ہے۔

(۳)عن ام هانی ء رضی اللّٰہ عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه و سلم: العلم میراثی و میراث الانبیاء قبلی (فر)

روایت ہے ام ہانی رضی اللہ عنہا سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم میری اور مجھ سے سابق انبیاء کی میراث ہے۔

(٤) عن سلمان رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم : نوم علی علم خیر من صلاۃ علی جهل (حل)

سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم کے ساتھ سو رہنا بہتر ہے اس نماز سے جو جہل کے ساتھ ہو۔

(٥) عن واثلة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم : التعبد بغير فقه كالحمار فی الطاحون(حل)

روایت ہے واثلہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: عبادت بغیر فقہ(سمجھ) کے ایسی ہے جیسے گدھا چکی سے باندھا جاتا ہے۔

(٦)عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: قلب لیس فیه شیء من الحکمة کبیت خرب فتعلموا وعلموا وتفقهوا ولا تموتوا جهالاً فان الله لا یعذر علی الجهل (ابن السنی)

روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس دل میں حکمت نہ ہو وہ مثل ویران گھر کے ہے پس سیکھو اور سکھاؤ اور سمجھ پیدا کرو اور مت مرو حالت جہل میں کیونکہ اللہ تعالیٰ عذرِ جہل قبول نہیں فرماتا ہے۔

(٧)عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: خیّر سلیمان بین المال والملك والعلم فأُعطی الملك والمال لاختیاره العلم(ابن عساکر ،فر)

روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سلیمان علیہ السلام کو اختیار دیا گیا کہ چاہیں ملک وسلطنت ومال

اختیار کریں یا علم، انہوں نے علم اختیار کیا جس کے باعث ان کو ملک بھی دیا گیا اور مال بھی۔

(۸) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : لکل شیء طریق وطریق الجنۃ العلم (فر)

روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر چیز کے لئے ایک راستہ ہوتا ہے اور جنت کا راستہ علم ہے۔

(۹) عن ابی ایوب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : مسئلۃ واحدۃ یتعلمها المؤمن خیر لہ من عبادۃ سنۃ وخیر لہ من عتق رقبۃ من ولد اسماعیل، وان طالب العلم والمرأۃ المطیعۃ لزوجها والولد البار بوالدیہ یدخلون الجنۃ مع الانبیاء بغیر حساب (ابو بکر النقاش والرافعی فی تاریخہ)

روایت ہے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک مسئلہ جو مسلمان سیکھے بہتر ہے اس کے لئے ایک برس کی عبادت سے اور آزاد کرنے سے ایسے غلام کے جو اولاد سے اسمعیل علیہ السلام کے ہو، اور طالب علم اور جو عورت کہ فرمانبردار اپنے شوہر کی ہو اور جو لڑکا کہ ماں باپ کا فرمانبردار ہو یہ سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ

بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

(۱۰)عن الحسين بن علي وابن عباس وانس وغيرهم رضي الله تعالیٰ عنهم قالوا قال رسول الله صلى الله عليه سلم : طلب العلم فريضة على كل مسلم(عب۔ هب۔ ط۔ص۔خط۔طس).

روایت ہے حسین بن علی وانس وابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(۱۱) عن ابی ذرو ابی هريرة رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اذا جاء الموت لطالب العلم وهو على هذه الحالة مات وهو شهيد(البزار)

روایت ہے ابوذر وابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جب طالب علم کو موت آجائے اور وہ حالت طالب علمی میں ہو تو وہ شہید مرے گا۔

(۱۲) عن سخبرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : طلب العلم كان كفارة لما مضى(ت)

روایت ہے سخبرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم کی

طلب گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہے۔

(۱۳) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : من طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع(حل)

روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو علم طلب کرے سو وہ حق تعالے کی راہ میں رہے گا جب تک کہ لوٹے۔

(۱٤) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : طالب العلم تبسط لہ الملائکۃ اجنحتھا رضی بما یطلب (ابن عساکر).

روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: فرشتے طالب علم کے لئے پر بچھاتے ہیں بسب رضامندی اس چیز کی جس کو وہ طلب کر رہا ہے۔

(۱۵)عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ان المؤمن اذا تعلم باباً من العلم عمل بہ او لم یعمل بہ کان افضل من ان یصلی الف رکعۃ تطوعاً(ابن لال)

روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنھما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کہ مسلمان جب ایک باب علم کا سیکھتا ہے خواہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے سو یہ صرف سیکھنا ہزار رکعت نفل پڑھنے سے افضل ہے۔

(١٦) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : طالب العلم افضل عند اللہ من المجاھد فی سبیل اللہ (فر)

روایت ہے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: طالب علم اللہ کے نزدیک اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے افضل ہے۔

(١٧)عن عائشة رضی اللہ عنھا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : من انتعل لیتعلم علماً غفرلہ قبل ان یخطو (الشیرازی)

روایت ہے عائشہ رضی اللہ عنھا سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو شخص طلب علم کی غرض سے نکلنا چاہے تو قدم اٹھانے سے پہلے جوتا پہنتے ہی گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

(١٨)عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قالاقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : من جاء اجلہ وھو یطلب العلم لقی اللہ

تعالی ولم یکن بینه و بین النبیین الا درجة النبوة (طس)

روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جس کی موت طالب علمی کی حالت میں آجائے تو حق تعالیٰ سے وہ ایسی حالت میں ملے گا کہ اس میں اور نبیوں میں سوائے درجۂ نبوت کے اور کوئی فرق نہ ہوگا۔

(۱۹) عن حسان بن ابی سنان قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : طالب العلم بین الجهال کالحی بین الاموات (العسکری فی الصحابة وابو موسی فی الذیل)

روایت ہے حسان بن ابی سنان سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: طالب علم جاہلوں میں ایسا ہے جیسے زندہ مردوں میں۔

(۲۰) عن معاذ رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : العالم امین الله فی الارض (ابن عبد البر فی العلم)

روایت ہے معاذ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: عالم زمین پر اللہ کا امین (نائب) ہے۔

(۲۱) عن علی رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : العلماء مصابیح الارض و خلفاء الانبیاء وورثتی

وورثة الانبياء (عد)

روایت ہے علی کرم اللہ وجہہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علماء زمین کے چراغ اور انبیاء کے خلیفے (جانشین) اور میرے اور دوسرے نبیوں کے وارث ہیں۔

(۲۲) عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : العلماء ورثة الانبياء يحبهم اهل السماء ويستغفر لهم الحيتان فی البحر اذا ماتوا الی يوم القيامة (ابن النجار).

روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: علماء انبیا کے وارث ہیں جن کو آسمان والے دوست رکھتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو قیامت تک دریا میں مچھلیاں ان کی مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔

(۲۳) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : اذا اجتمع العالم والعابد علی الصراط قیل للعابد ادخل الجنة وتنعم لعبادتك وقیل للعالم قف هنا واشفع لمن احببت فانك لا تشفع لاحد الا شفعت فقام مقام الانبياء

(ابو الشیخ فی الثواب)

روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جب عالم اور عابد صراط پر ملیں گے تو عابد سے کہا جائے گا کہ جنت میں چلا جا اور عبادت کے سبب سے جنت میں عیش کر، اور عالم سے کہا جائے گا کہ یہاں ٹھہر اور جس سے محبت رکھتا ہے اس کی شفاعت کر جس کی شفاعت تو کرے گا قبول کی جائے گی! چنانچہ وہ انبیاء کے مقام میں کھڑا ہوگا۔

(۲۴) عن انس و عمران بن حصین وابی الدردا و النعمان بن بشیرقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم: یوزن یوم القیامۃ مداد العلماء و دم الشھداء فرجح مداد العلماء علی دم الشھداء (الشیرازی و الموھبی و ابن عبد البر و ابن الجوزی فی العلل)

روایت ہے انس وعمران وابی الدرداء ونعمان رضی اللہ عنہم سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: قیامت کے دن سیاہی علماء کی اور خون شہیدوں کا تولا جائے گا اور علماء کی سیاہی کا وزن شہیدوں کے خون سے بڑھ جائے گا۔

(۲۵)عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: عالم ینتفع بہ خیر من الف عابد(فر)

روایت ہے علی رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ایک عالم جس سے نفع ہو بہتر ہے ہزار عابدوں سے۔

(۲۶) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: صاحب العلم یستغفر لہ کل شیء حتی الحیتان فی البحار (ع)

روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: ہر چیز عالم کے لئے مغفرت کی دعا کرتی ہے، یہاں تک کہ مچھلیاں دریا میں۔

(۲۷) عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم، ان اللہ عزوجل وملائکتہ واھل السماوات والارضین حتی النملۃ فی جحرھا وحتی الحوت لیصلون علی معلم الناس الخیر (ت)

روایت ہے ابو امامہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر، یقیناً اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور آسمان و زمین والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنی سوراخ میں اور مچھلیاں لوگوں کو اچھی بات سکھلانے والے کے حق

میں دعا کرتے اور رحمت بھیجتے ہیں۔

(۲۸) عن واثلة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:ما من شیء اقطع لظهر ابلیس من عالم یخرج فی قبیلة(فر)

روایت ہے واثلہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کوئی چیز ابلیس کی پیٹھ توڑنے میں زیادہ اثر نہیں رکھتی اس عالم سے جو کسی قبیلے میں پیدا ہو۔

(۲۹) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:مجالسة العلماء عبادة (فر).

روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: عالموں کے ساتھ بیٹھنا عبادت ہے۔

(۳۰)عن جابر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:اکرموا العلماء فانهم ورثه الانبیاء فمن اکرمهم فقد اکرم الله ورسوله(خط)

روایت ہے جابر رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: عالموں کی بزرگی (عزت واکرام) کرو اس لئے کہ وہ نبیوں کے

وارث ہیں جس نے ان کی بزرگی کی اس نے خدا اور رسول کی بزرگی کی۔

(۳۱) عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ساعة من عالم متكئٍ على فراشه ينظر فی علمه خير من عبادة العابد سبعين عاماً (فر)

روایت ہے جابر رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو عالم کہ ٹیکا لگائے ہوئے اپنے بستر پر اپنے علم میں ایک ساعت غور کرے سو وہ عابد کی ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

(۳۲) عن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فضل العالم على العابد سبعين درجة ما بين كل درجة كما بين السماء والارض (ع)

روایت ہے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: فضیلت عالم کی عابد پر ستر درجے ہے، ہر درجے میں اتنی مسافت ہے جتنی آسمان وزمین میں ہے۔

(۳۳) عن بهز بن حكيم عن ابيه عن جده قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من استقبل العلماء فقد استقبلنی، ومن زار العلماء فقد زارنی، ومن جالس العلماء فقد جالسنی، ومن

جالسنی فکأنما جالس ربی (الرافعی)

روایت ہے بہز بن حکیم سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: جس نے علماء کا استقبال کیا اس نے میرا استقبال کیا، اور جس نے علماء سے ملاقات کی اس نے مجھ سے ملاقات کی، اور جو علماء کے ساتھ بیٹھا، وہ میرے ساتھ بیٹھا، اور جو میرے ساتھ بیٹھا گویا وہ میرے رب کے ساتھ بیٹھا۔

(۳٤) عن معاذ بن انس رضی اللہ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من علم علماً فله اجر من عمل به لا ینقص من اجر العامل شیئاً

روایت ہے معاذ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو علم سکھلائے اس کو ثواب اس شخص کا ہے جو اس پر عمل کرے اور عمل کرنے والے کا ثواب کچھ کم نہ ہوگا۔

(۳٥) عن ابی سعید رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من علم آیة من کتاب الله او باباً من علم انمی الله اجره الی یوم القیامة (ابن عساکر)

روایت ہے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے: جو کوئی قرآن شریف کی ایک آیت یا کوئی باب علم کا کسی کو سکھلا دے تو حق تعالیٰ اس کا ثواب قیامت تک بڑھا تا جائے گا۔

(۳۶) عن سمرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:ما تصدق الناس بصدقة افضل من علم ينشر(طب)

روایت ہے سمرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کوئی صدقہ علم کی اشاعت سے بہتر نہیں ہے۔

(۳۷) عن ابی بکر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:اغد عالما او متعلما او مستمعاً او محباً ولاتكن الخامس فتهلك(طس)

روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ: بن تو عالم یا علم سیکھنے والا یا سننے والا یا دوست اس کا، اور پانچویں قسم سے مت بن کہ ہلاک ہو جائے گا۔

(۳۸) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:العلم دين والصلاة دين فانظروا عمن تاخذون هذا العلم وكيف تصلون هذه الصلاة فانكم تسئلون يوم القيامة(فر)

روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: علم دین اور نماز بھی دین ہے، تو دیکھو کہ تم اس علم کو کیسے شخص سے سیکھتے ہو اور یہ نماز کیسی ادا کرتے ہو، کیونکہ تم سے قیامت کے دن اس کا سوال ہوگا۔

(۳۹) عن ابی هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خيار امتى علماؤها وخير علمائها رحماؤها، الَا وان الله تعالى ليغفر للعالم اربعين ذنباً قبل ان يغفر للجاهل ذنبًا واحدا، الَا وان العالم الرحيم يجىء يوم القيامة وان نوره قد اضاء يمشى فيه ما بين المشرق والمغرب كما يضىء الكوكب الدرى(حل، خط)

روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: میری امت کے وہ لوگ بہتر ہیں جو علماء ہیں، اور علماء میں وہ بہتر ہیں جو رحم دل ہیں، اور حق تعالیٰ عالم کے چالیس گناہ بخش دیتا ہے قبل اس کے کہ جاہل کا ایک گناہ بخشے، رحم دل عالم قیامت کے دن اس شان سے آئے گا کہ نور اس کا مشرق و مغرب تک روشن ہوگا جیسے کوئی ستارہ روشن ہوتا ہے، اور وہ اس نور میں راہ طے کرے گا۔

(۴۰)عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم:لا حسد ولا تملق الا فی طلب العلم (عد، هب والخطيب)

روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: سوائے طلب علم کے حسد اور خوشامد کسی چیز میں نہ کرنا چاہئیے۔

﴿توقیر علمائے دین اسلام﴾

یہ چالیس حدیثیں کنز العمال سے نقل کی گئی ہیں، اور جو رموز کہ ہر حدیث کے آخر میں مذکور ہیں ان کی تفسیر یہ ہے:

(ت) ترمذی (د) ابوداود (طب) طبرانی فی الکبیر (عد) ابن عدی فی الکامل (حل) ابونعیم فی الحلیہ (ص) سعید بن منصور (طس) طبرانی فی الاوسط (فر) دیلمی فی الفردوس (هب) بیہقی فی شعب الایمان (خط) خطیب (ط) ابوداود طیالسی (ع) ابویعلی (ک) حاکم۔

مذکورہ بالا احادیث سے ظاہر ہے کہ علم ایک دینی حق ہے، اس کو دنیا سے کوئی تعلق نہیں، یہ بات اور ہے کہ اس کے ضمن میں دنیا حاصل ہو جائے جیسا کہ تجربے اور ساتویں حدیث سے ظاہر ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ علم صرف دنیا کی غرض سے حاصل کیا جائے اور اس پر ان فضائل وثواب کی

توقع کی جائے جن کا وعدہ دیا گیا ہے، اس وعدے کا ایفا تو جبھی ہو کہ نیت میں للّٰہیت اور خلوص ہو جیسا کہ حدیث شریف انما الاعمال بالنیات سے اور آیت شریفہ من کان یرید حرث الاٰخرۃ نزدلہ لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا وما لہ فی الاٰخرۃ من نصیب سے ظاہر ہے۔

البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ عربی علوم پڑھنے کے بعد بھی آدمی دنیاوی ترقی بھی کرسکتا ہے یا نہیں؟ جن کی نظر تاریخی کتابوں پر ہے وہ جانتے ہیں کہ ہر زمانے میں علماء نے کیسی کیسی ترقیاں کیں بلکہ اگر کلیہ نہیں تو اکثر یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ جب کسی نے ابتداءً ترقی کی وہ شخص عالم تھا گو بوجہ اشتغال دنیاوی اس کا نام طبقات علماء میں نہ لکھا گیا ہو، کیونکہ علوم عربیہ میں بعض وہ علوم ہیں جو صرف قوت فکریہ کو بڑھانے اور ہر قسم کے مطالب سوچنے اور صحیح مقصود نکالنے میں مدد دیتے ہیں، اور بعض دائرۂ خیال کو وسیع کرتے ہیں۔ اور عموماً ترتیب تعلیم وانتخاب کتب درسیہ میں یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ قوت فہم بتدریج ترقی بذیرا اور دقّت پسند ونکتہ رس ہو جائے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ جب کئی سال تک ذہن سے وہ کام لیا جائے جس سے روز بروز قوت بڑھے اور صفائی پیدا ہو تو ذہن کس اعلیٰ درجے کی قوت پر

ہوگا! پھر کیا باوجود اس مشاقی کے کسی کام میں رکے گا؟ ہرگز نہیں، بلکہ بذریعہ ان قواعد کے جس کی مشق ایک مدت تک کی ہے کامیاب ہی ہوگا، یہ بات اور ہے کہ قسمت یاوری نہ کرے، اس میں تو وہ لوگ بھی برابر ہیں جنہوں نے عمر بھر دوسرے فنون وذرائع دنیاوی حاصل کیے اور نان شبینہ تک کے محتاج ہیں، لیکن بااین ہمہ عالم اوروں سے بڑھا ہوا ہی رہے گا۔

دیکھ لیجئے کسی اجنبی ملک سے کوئی عالم آجاتا ہے تو بحسب مدارج علم لوگ اس کی تعظیم وتوقیر کرنے لگتے ہیں، نہ اس کو اس بات کے حاصل کرنے میں مال کی ضرورت ہوتی ہے نہ شان وشوکت کی۔ غرض عالم اگر خاص فقر وفاقہ میں بھی رہے تو کسی ایک قوم کا سردار اور ان میں معزز بنا رہے گا اور اس کو وہ وجاہت حاصل ہوگی جو دوسروں کو نہ ہوگی، اور ظاہر ہے کہ وہ وجاہت ترقی دنیا کی اگر مقصود اصلی نہیں تو اس کے رکن اعظم ہونے میں کلام نہیں۔

غرض علوم عربیہ ترقی دنیاوی کے لئے بھی کمال درجے کی ممد ومعاون ہیں۔ اب اہل دانش سمجھ سکتے ہیں کہ وہ شئے جس کو دین میں وہ وقعت اور دنیا میں وہ شوکت حاصل ہے تو کس قدر اس کے حاصل کرنے میں سعی و جانفشانی کرنا چاہیے۔

حق تعالیٰ اہل اسلام کو توفیق دے کہ تحصیل علوم میں سعی کر کے مدارج دارین حاصل کریں، اور جو خود حاصل نہ کر سکیں تو اتنا تو کریں کہ ان مدارس میں جہاں تدریس اپنے دینی علوم کی ہوتی ہے تائید و معاونت پیش کریں۔ اور بفحوائے حدیث شریف الدال علی الخیر کفاعلہ اس ثواب عظیم میں شریک ہوں۔

وباللہ التوفیق

للعجلعج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین.

امابعد! اگر ابتدائے اسلام پر نظر ڈالی جائے تو پہلے پہل وہی لوگ پیش نظر ہو جائیں گے جن کو دنیا کی بے انتہا لذتوں سے صرف سوکھی روٹی اور وہ بھی کئی کئی فاقوں کے بعد اور پیوند لگے ہوئے کپڑوں نے قانع کر دیا تھا، اور ان کے سچے اعتقادوں نے ان کے حسرت بھرے دلوں کو عیش و عشرتِ دائمی کے مزے دکھا دکھا کے کچھ ایسا پر جوش اور قوی بنا دیا تھا کہ مخالفت نفس کی کڑی سے کڑی منزلیں طے کرنا انہیں ایسا تھا جیسے کوئی ہجران نصیب عاشق اپنے معشوق کے گھر جاتا ہے۔ اور اگر مالدار اور دولت مند بھی کہیں

نظر آجائیں گے تو وہ بھی اس قسم کے ہوں گے جنہوں نے مال وعزت بلکہ جان بھی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے کو ذریعہ اس دولت عظمیٰ کے حاصل کرنے کا بنایا ہوگا، جب سے انہوں نے اس راستے میں قدم رکھا نہ کبھی فقر و فاقہ کا خیال انہیں مانع ہوا نہ کبھی اندیشہ جان کا ان کی اس آزادنہ رفتار میں لغزش پیدا کرسکا۔ باوجود اس کے ان حضرات کے دل میں فقیری کی ایسی عظمت و وقعت تھی کہ اس کو دولت بے زوال سمجھتے اور بے دریغ مال صرف کرکے اس کے حاصل کرنے میں سعی کیا کرتے تھے۔ دیکھ لیجئے کہ خلفائے راشدین نے باوجود اس سلطنت کے کہ جن کے آگے بڑے بڑے سلاطین نامدار کی گردنیں جھکی جاتی تھیں کس محبت کے ساتھ فقر و فاقہ کو اختیار کیا تھا!! کیا کوئی مسلمان ان کی عقلوں میں کلام کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ہر ملت و مذہب والا جس کو ذرا بھی عقل ہے وہ ان کے کمال عقل وتدبیر کو ضرور تسلیم کرلے گا، اس وجہ سے کہ ان کی عقلی کوششوں نے ایک ایسے تھوڑے عرصے میں جس میں لڑکا بھی بالغ العقل نہیں ہوسکتا یعنے تیس سال سے کم مدت میں اسلام کے جھنڈے شرق وغرب میں نصب کردیئے۔

ان حضرات نے دولت فقر کو جو ترجیح دی تھی یہ بھی اسی کمال عقل کا نتیجہ

تھا جس نے انہیں قوی بنادیا تھا۔ کیونکہ یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی تھی کہ دولت دنیاوی کی کارسازیاں اورناز ونعمت کے کرشمے آدمی کو بودا بنادیتے اورخدا کی راہ میں جوسختیاں پیش آتی ہیں آدمی کو برداشت کرنے کے قابل نہیں چھوڑتے ہیں، اس لئے کہ جس قدر تموّل اورتعلقات کی کثرت ہوتی ہے اسی قدر طبیعت کی پابندی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔اور گویا ہر چیز کا تعلق ایک ایسا قید محکم بن جاتا ہے کہ آدمی کو کسی ارادے کی طرف بڑھنے نہیں دیتا۔اگر تاریخی کتابوں میں اس کی نظیریں تلاش کی جائیں توصدہا پیش نظر ہوجائیں گی۔

اس کو بھی جانے دیجئے، اگر ہم خود اپنے ہمعصر مسلمانوں کو دیکھیں تو یقین ہے کہ اس دعوے کے ثبوت میں پھر کسی دلیل کی احتیاج باقی نہ رہے گی کیونکہ جدھر نظر اٹھا کر دیکھئے اکثر وہی لوگ نظر آتے ہیں کہ جنہوں نے تعلقات دنیاوی میں پھنسے رہنے کی وجہ سے حج وزیارت کا کبھی ارادہ تک بھی نہ کیا! حالانکہ وہ اسلام کا ایک عالیشان رکن ہے اورآسانی بھی اس میں اس قدر کی گئی ہے کہ صرف ایک باراس کا ادا کرلینا عمر بھر کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔اوراگر کسی کو حب ایمانی نے اس طرف کھینچ کرارادہ کرا بھی دیا تو وہ تعلقات بجائے خود ایک قید محکم ہوجاتے ہیں جس سے قدم اٹھ نہیں

سکتا، پھر اگر کسی نے مردانگی سے کام لیکر قطع تعلق کرلیا اور نکل پڑا تب بھی اس کے دل کا اندرونی تعلق مال واسباب واہل وعیال کے ساتھ اس بلا کا ہے کہ دیکھنے کو تو راہ طے ہورہی ہے مگر دل کو کچھ حرکت اور جنبش نہیں، جیسے ان کے ساتھ پہلے لگاوٹ تھی اب بھی وہی ہے، ہاں اتنا فرق ہوا کہ پہلے ایک جائے تھا اور اب دو جائے منقسم ہوا۔

ایسی حالت میں اگر مال واسباب پر کوئی آفت آسمانی آگئی اور کسی قدر تلف ہوگیا یا لٹ گیا تو پھر حضرت دل کب کسی کے قابو میں آسکتے ہیں! اب تو وہیں اڑے ہیں جہاں مال ہے۔ اسی وجہ سے جب کبھی حج یا ملک عرب کا نام آجائے تو پہلے وہی مال یاد آجائے گا جو ایک بار قبضے سے نکل گیا تھا اور بجائے اس کے کہ شکریہ اس سرزمین کا کرتے جس میں ایک بار حاضر ہونے سے دائمی شرف حاصل ہوگیا علانیہ شکایت کرنے لگتے ہیں! حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفْ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمَوَالِ وَالأنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ 0 الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُواْ إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ 0 أُولَـئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ 0

یعنی: البتہ ہم تم کو تھوڑے خوف سے اور بھوک سے اور مال اور جان اور محصولات زراعی کی کمی سے آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنادو جب ان پر مصیبت آپڑتی ہے تو بول اٹھتے ہیں کہ: ہم اللہ ہی کے ہیں ہم کو جس حال پر رکھنا چاہے رکھے اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی شاباشیاں ہیں اور رحمت ہے اور یہی راہ راست پر ہیں۔

سفر حج میں اکثر مصائب کا سامنا ہوتا ہے مگر اس پر جو لوگ صبر کرتے ہیں اس خیال سے کہ خدا کی راہ میں جارہے ہیں تو کیسے کیسے انعامات کے مستحق ہوتے ہیں، شاباشیاں پاتے ہیں، ان پر رحمت نازل ہوتی ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ خدائے تعالیٰ ان کی توصیف فرماتا ہے کہ ہدایت اور راہ راست پر یہی لوگ ہیں۔ اب غور کیجئے کہ اس سفر مبارک میں جو تھوڑی مصیبتیں پیش آتی ہیں وہ بھی اتفاقی طور پر ان پر اتنا واویلا مچانا جس سے دوسرے جانے والوں پر برا اثر پڑے کس قدر خلاف مرضی خدا اور رسول کے ہوگا! تعجب نہیں کہ جتنے لوگ ان کی وجہ سے حج و زیارت سے محروم رہیں ان کا وبال ان ہی کی گردن پر ہو۔ ان حضرات نے شاید کبھی یہ خیال نہ کیا ہوگا کہ اسلام کے صدقے میں کیسی

کیسی بیش بہا دولتیں حاصل کیں، اور آئندہ کے لئے توقع بھی ہے، اگر اس راہ میں کسی قدر مال قبضے سے نکل گیا جس سے کئی حصے زیادہ خود اپنے ہاتھ سے تلف کردیا اور آفات سماویہ سے تلف ہوگیا ہوگا اور وہ بھی مفت اور بلا معاوضہ نہیں بلکہ یقیناً اس کا عمدہ عوض ملنے والا ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے جس کو منذریؒ نے ذکر کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: جس قدر اس راہ میں سختی اور حرج زیادہ ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا۔ اور یہ بھی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: ایک درہم اس راہ میں خرچ ہو تو دس لاکھ درہم کا ثواب ہوگا۔ اب اگر کسی قدر مال اس راہ میں تلف ہوگیا تو اس کو بھی خرچ ہی کے مد میں داخل کرلیا جائے تو علاوہ اس ثواب کے صبر کا ثواب بھی ہوگا جس کا وعدہ قرآن شریف میں کیا گیا ہے۔

اب اگر شکایت سننے والے حضرات ان سے اتنا اور بھی دریافت کرلیتے کہ اس سفر مبارک میں کتنے لوگوں کا مجمع ہوتا ہے؟ اور ان میں سے کتنے لوٹے جاتے ہیں؟ اور لوٹے جانے کی کیفیت کیا ہے؟ آیا قطاع الطرق مجمع کرکے غارتگری کرتے ہیں؟ یا کوئی شخص حاجی کو غافل پا کر فرودگاہ سے نظر بچا کر کوئی چیز اٹھا لے جاتا ہے؟ جس سے معلوم ہو جاتا کہ

اگر خطرہ ہے تو یقینی ہے یا احتمالی؟ اگر دریافت کرنا چاہیں تو اس قلت پر بھی حج کئے ہوئے لاکھوں لوگ ہندوستان میں مل سکتے ہیں جن سے یہ بات بخوبی معلوم ہوسکتی ہے کہ ہر سال لاکھوں آدمیوں کا مجمع ملک حجاز میں ہوتا ہے اور شاید کل سفر میں چالیس پچاس آدمیوں کا مال جاتا ہوگا اور پانچ سات شہید ہوتے ہوں گے، کیونکہ ہر سال جن حجاج سے ملاقات ہوتی ہے ان میں شاذ ونادر کوئی ہوگا جس کا ذاتی مال لٹا ہو یا عزیز واقارب سے اس کے کوئی شہید ہوا ہو! جس سے پوچھئے یہی کہے گا کہ ہم نے سنا یا دیکھا ہے۔ اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ اگر لوٹ کھسوٹ یا قتل وخون عام ہوتا تو بہت لوگ اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتے، اور یہ تو ظاہر ہے کہ جہاں لاکھوں مختلف قوموں کا مجمع ہوگا خواہ مخواہ اس قسم کے واقعے پیش آئیں گے۔ اور اگر اس کا بھی سبب دیکھا جائے تو حجاج ہی کی غلطی نکلے گی جس نے انہیں جانی یا مالی ضرر پہونچایا۔

﴿سفر حج کے دوران اپنے ذاتی تجربات﴾

تجربوں سے ثابت ہے کہ یہ تمام خرابیاں دو وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، ایک بے احتیاطی دوسرا بخل۔ بے احتیاطی کی صورت یہ ہے کہ بعض لوگ قافلے سے علحدہ ہوکر آگے پیچھے رہ جاتے ہیں جس کے سبب ہر قسم کا قابو

قزاقوں کو مل جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ قافلے کے ساتھ اپنے مقاموں میں رہیں تو کسی قسم کی مضرت پہونچنے کا احتمال نہیں۔ چنانچہ مجھے بھی بفضلہ تعالیٰ اس سفر مقدس کا چار بار اتفاق ہوا ہمیشہ یہی دیکھا کہ جب منزل میں اترتے ہیں تو بعضے اندھیرے میں حد روشنی سے خارج ہو جاتے ہیں اور صدمے اٹھاتے ہیں۔ اور بخل کی یہ صورت ہے کہ بات بات میں بدؤں کے ساتھ کفایت شعاریاں کر کے انہیں کو اپنا دشمن بنالیتے ہیں جن سے صبح و شام کام پڑتا ہے۔ اور چونکہ ان لوگوں کی طبیعتوں میں کمال درجے کی سخاوت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ سخی کو بخیل سے اور بخیل کو سخی سے ایک قسم کا طبعی بغض ہوا کرتا ہے اس لئے ان کے ساتھ موافقت نہیں ہوتی، آخر بمقتضائے شجاعت جو لازمہء ملک عرب اور صحرائیت ہے ایذا رسانی کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اگر اس تمام سفر میں جس کی مدت تقریباً ایک مہینہ ہے ان کے حقوق مقررہ سے زیادہ آٹھ یا دس روپیہ کا ان کے ساتھ سلوک کر دیا جائے تو کمال ممنونیت سے اس قدر مطیع ہو جاتے ہیں جس کا بیان نہیں، جہاں جانا چاہیں بے خوف چلے جائیں خود وہ مسلح ہو کر ساتھ ہو لیتے ہیں، اور لکڑی پانی بروقت مہیا کر کے رات بھر حفاظت میں مصروف رہتے ہیں۔ میں ایک بار ینبع سے مدینہ منورہ جا رہا تھا، کسی منزل میں ایک

دوست کی ملاقات کو گیا جو ترک کے کبار علماء سے بڑے تجربہ کار تھے، انہوں نے چائے کی تیاری کے لئے بدو سے کہا، وہ فوراً بھری ہوئی مشک لے آیا جو کہیں چھپا رکھی تھی، جب چائے تیار ہوئی نہایت خوش گوار تھی، مجھے حیرت ہوئی کہ ہمارے ہاں اس قسم کا پانی نہیں یہ کہاں سے لایا ہوگا! میں نے اس سے دریافت کیا؟ کہا کہ تھوڑے فاصلے پر ایک کنواں ہے جس کا پانی اس قریب کے کنوئیں سے میٹھا ہے خاص شیخ کے واسطے میں وہاں سے لایا ہوں! مجھے اور تعجب ہوا کہ کس چیز نے اسے ایسی خدمت پر آمادہ کردیا ہے جو اس مقام میں غلام بھی نہیں کرسکتا! شیخ نے کہا کہ میں نے ان تمام حقوق سے جو عموماً اہل قافلہ پر مقرر ہیں مدینہ منورہ تک پانچ روپیہ زیادہ دیئے ہیں جس سے یہ شخص اتنا آرام پہونچاتا ہے کہ غلام اور نوکر سے اس سفر میں ہرگز امید نہیں۔ تجربوں سے مجھے جب بدوؤں کی طبیعت کا حال معلوم ہوگیا تو میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ نکلنے سے پہلے اپنے ساتھ والے بدوؤں کی دعوت کردی جو پچیس تیس اونٹوں میں دس یا بارہ آدمی تھے اور علاوہ اس ایک ریال خوراک کے جو کہ ہر ایک اونٹ پر مقرر ہے ہر روز اپنے ساتھ کھانا کھلاتا اور کبھی کبھی کچھ نقد بھی دے دیتا اور ہر منزل پر ان کو قہوہ دلا دیتا تھا جس سے بدوؤں کا مجمع اور مفت کا پہرہ چوکی

ہو جاتی ،اور جہاں ایک آدھ روز مقام کا اتفاق ہوتا ایک دنبہ انہیں دلا دیتا،غرض اس تھوڑے سے صرفہ میں اتنا آرام اٹھایا اور ایسی بے فکری سے گزری کہ اگراس کو بیان کیا جائے تو ایک چھوٹی سی کتاب ہو جائے گی۔

صحیح حدیث شریف ہے جس کو منذریؒ نے کتاب الترغیب والترہیب میں ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوائے جنت کے حج مبرور کی اور کوئی جزا نہیں۔کسی نے پوچھا حج کی بر یعنی نیکی کیا ہے؟ فرمایا کھانا کھلانا اور بات نرم کرنی۔اس صورت میں اگر صرف ساتھ کے خدمتی بدوؤں ہی کو کھانا کھلا نا کریں اور ان سے اخلاقی برتاؤ کریں تو امید ہے کہ حج مبرور بھی ہو جائے اور توقع سے زیادہ آرام بھی حاصل ہو۔

الحاصل اس تدبیر سے آدمی ذاتی آرام اٹھا سکتا ہے،اور اپنا مال نگاہ بچا کے لے جانے والوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔اب رہا غارتگروں کا صدمہ جو کبھی قافلے پر آجاتا ہے اس میں خرچ کرنے کی ضرورت نہیں،قافلے والے بدوان کے مدمقابل ہو جاتے ہے،اور کسی نہ کسی تدبیر سے قافلے کو نکال لے جاتے ہیں۔اس قسم کا اتفاق اول تو بہت ہی کم ہوتا ہے،اور کبھی جو ہوتا ہے تو اکثر ہنگامہ پرداز غلام وغیرہ ہوتے ہیں اعلیٰ درجے کے لوگ اس میں شریک نہیں ہوتے ، ورنہ انسداد اور مقاومت ان

کی قافلے کے بدوؤں سے دشوار ہوتی کیونکہ اول تو ان کی کثرت اس قدر ہے کہ ان کے مقابل قافلے کے بدو کسی قطار وشمار میں نہیں، دوسرے کل پہاڑیاں اور دشوار گزار مقام سب انہیں کے قبضہ میں ہوتے ہیں، ان میں اکثر مقام ایسے ہیں کہ اگر دس بندوقچی قافلے کی گزرگاہ پر بیٹھ جائیں تو ہزار مسلح سپاہیوں کے ہتھیار رکھلوالیں۔ بڑی وجہ ان کے شریک نہ ہونے کی یہ ہے کہ قافلہ لے جانے والے بدو یا ان کے قبیلے والے ہوتے ہیں یا ان کے حلیف جن کی حمایت اس قوم کے اصول پر ضروری ہے۔ چنانچہ اسی زعم پر قافلہ لے جانے کے وقت سرکار میں ایک ایسے شخص کو ضامن بناتے ہیں جس کی وجاہت تمام قبیلوں میں مسلّم ہوتی ہے اور اسی اطمینان پر ضامن بھی جس کو رهینہ کہتے ہیں قافلہ صحیح وسالم واپس آنے کے وقت تک بطیّب خاطر نظر بند رہنے کو قبول کرلیتا ہے۔ یہ منجملہ ان انتظامات کے ہے جو سلطنت کی جانب سے قافلے کے ساتھ متعلق ہیں، پھر یہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سرکار کی طرف سے کچھ انتظام نہیں سو بالکل غلط ہے۔ صرف اتنا ہی دیکھ لیا جائے کہ جہاں لاکھوں آدمیوں کا مجمع ہو کس قدر بدنظمی ہوسکتی ہے، خصوصًا جہاں ہتھیار بند وحشی اور ہر قسم اور ہر ملک کے لوگ جمع رہیں مگر الحمدللہ کہ باوجود اس کے صرافوں کی دکانیں عرفات اور منیٰ میں برابر سرراہ

لگی رہتی ہیں جہاں نہ کوئی چیز حائل ہوتی ہے نہ کسی قسم کی روک ٹوک پھر کسی کی طاقت نہیں کہ دست تعدی ان پر دراز کر سکے یا لین دین میں دکاندار کسی کو کچھ نقصان پہنچا سکیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ جب کسی دکان پر روٹی یا دہی کا پیالہ وزن مقررہ سے کم ہوتا ہے تو محتسب جو ہر روز بازاروں میں گشت کر کے ہر چیز کی تنقیح کر لیتا ہے اس کو جرم سنگین قرار دے کر موجود روٹی اور ان پیالوں کو لقمۂ مسکین کر دیتا ہے۔ اسی پر تمام انتظامات کو قیاس کر لیجئے۔ اور پولیس کا یہ انتظام ہے کہ اس لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں کبھی خانہ جنگی کی خبر سنی نہیں۔ اگر صرف اسی بات پر غور کیا جائے تو تمامی انتظام کا نقشہ اس سے پیش نظر ہو سکتا ہے۔

الغرض اگر ملکی انتظام کو دیکھئے تو زیادہ نہیں تو اور ملکوں سے کم بھی نہیں، اور اگر بدؤں کے معاملے کو دیکھئے تو تھوڑے ہی صرفہ میں حد سے زیادہ آرام پہنچ سکتا ہے۔ پھر احتمالی مضرتوں کو سن کر جو لوگ اس دولت عظمیٰ سے محروم رہتے ہیں سوائے ان کی کم قسمتی کے اور کیا سمجھا جائے جس کا علاج نہیں! مگر بظاہر منشا اس کا وہی تعلق دنیاوی سمجھا جائے گا جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ اگر دل سے مال کی محبت کو کسی قدر دور کر دیں اور توکل بخدا اس راہ میں قدم رکھیں تو یقین ہے کہ کسی قسم کا ضرر نہ پہونچے گا۔ مگر جب

تک اس بات کا تجربہ نہ ہو یقین کیونکر آئے؟ اس قسم کی بات البتہ وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے صدق دل سے توکل کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی برکات سے صدہا فوائد دینی و دنیاوی حاصل کئے۔ اور بہ طفیل و امداد حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن مواقع میں احتمال مضرت ونقصان کا تھا فائدہ اٹھایا۔

مال کی محبت جب تک آدمی کے دل میں ہو علاوہ نقصان اخری، دنیوی ضرر کا بھی اندیشہ ہے۔ اور اسی وجہ سے بعضے مسکین صورت، مالداروں سے زیادہ ضرر اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ بارہا دیکھا گیا کہ بعض لوگ باوجودیکہ سرمایہ اس قدر رکھتے ہیں کہ کرایہ کر سکیں مگر بخیلی کر کے اس کو کسی کے پاس امانت رکھ کے قافلے کے ساتھ پیادہ چلتے ہیں، اور جب تھک کر قافلے سے کبھی علحدہ ہو جاتے ہیں تو بدو لوگ اس خیال سے کہ اگر یہ شخص مفلس ہوتا تو اسے قافلے میں پناہ لینے کی کیا ضرورت تھی پہلے دور ہی سے خبر لیتے ہیں اور پھر اپنے مقصود کی تلاش کرتے ہیں، اور اکثر یہ بھی سنا گیا ہے کہ گودڑی اور جوتیوں میں اشرفیاں یا روپئے سی کر فقیروں کی صورت بناتے ہیں۔ اور بعضے پاؤں میں باندھ کر اس پر دھجیاں لپیٹ لیتے ہیں تا عذر لنگ ظاہر کریں، مگر بدو بھی چلتے پرزے ہیں فوراً پہچان جاتے ہیں کیونکہ ہزارہا

تجربے ان کو اس قسم کے ہوگئے ہیں۔ غرض کہ ایسے بخیلوں کی بدو خوب ہی خبر لیتے ہیں۔

الحاصل یہ تمام مال اور اس کی محبت کی نکبت ہے۔ برخلاف ان کے جو بالکل مسکین ہیں ان کو نہ ارادہ کرنے کے وقت کوئی چیز مانع ہے نہ منزل مقصود کو پہنچنے میں کچھ خطرہ، جب چاہتے ہیں آزادنہ وطن سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور دولتیں لوٹتے ہیں۔ اسی آزادی نے تعداد مساکین کو بڑھا دیا ہے، چنانچہ مدینہ منورہ کے رہنے والوں سے معلوم ہوا کہ ہر سال مساکین بہ نسبت اغنیاء کے سہ چند زیادہ ہوتے ہیں۔ ان سب مساکین کے سفر کا مدار ظاہراً بدوؤں کی سخاوت پر ہے، اگرچہ وہ اغنیاء سے کسی قدر ان کی پرورش کا حق لے بھی لیتے ہیں مگر جس قدر ان کی مہمانداری میں صرف ہوتا ہے، شاید وہ مال دسواں حصہ بھی بہ نسبت مہمانداری کے نہ ہوگا، کیونکہ سال بھر کی آمد و شد اتنے مساکین کی اور تکلف مہمانداری کا بقدر حوصلہ اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ جو کچھ فکر معیشت کیا کرتے ہیں مقصود اصلی ان کا یہ ہے کہ مہمانان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ہو۔ جب یہ بات ثابت ہو جائے تو اغنیاء کو چاہیئے کہ اگر کسی قدر مال اپنا بھی ان حضرات کے کام میں آجائے تو اس کا شکریہ ادا کریں اور علامت حج

مبرور سمجھیں۔

چونکہ مسلمانوں کے دین کا اور ان کی پر جوش طبیعتوں کا لازمہ ٹھہرا ہے کہ کیسے ہی یقینی خطرناک مواقع کیوں نہ ہوں دینی کاموں میں جرأت کر لیتے ہیں اور خیال تو کیا اگر خود موت بھی سامنے آجائے تو ہرگز نہیں ٹلتے، تو عجب بات ہے کہ ایک موہوم شبہ سے ایسا عالیشان رکن اسلام ترک کر دیا جائے! اور اس سے زیادہ تعجب خیز بات ہے کہ اسلامی ہمدردی کا شور ہر طرف سے اٹھ رہا ہے اور ہر شخص اس پر اپنی مستعدی ظاہر کر رہا ہے مگر کسی کی زبان سے یہ نہیں نکلتا کہ دینی امور کی پابندی بھی ضروری ہے۔ یہ لوگ جہاں اسلام کے مرثیے خوش اسلوب پیرایہ اور غمگین لہجہ میں پڑھتے ہیں کاش اس طرف بھی توجہ کریں تا کہ مسلمانوں کی عام توجہ کچھ اس طرف بھی ہو جائے۔ حق تعالیٰ سب کو توفیق نیک عطا فرمائے۔

فضیلت حج کی وجہ:

حج کرنے کے فضائل اور اس کے ترک کی وعیدیں جو وارد ہیں جن کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئے گا، اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعضے عبادتیں صرف بدنی ہیں جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔ اور بعضے صرف مالی جیسے زکاۃ، صدقات وغیرہ۔ اور حج دونوں قسم کی عبادتوں کا جامع ہے۔ اس میں

مال بھی خاطر خواہ خرچ ہوتا ہے اور سفر کی مصیبتیں بھی جھیلنی پڑتی ہیں۔ سفر گو ایک ایسی مصیبت ہے کہ اس کی وجہ سے چار رکعت کی دو رکعت کر دی گئیں جس سے ظاہر ہے کہ وہ باعث تخفیف عبادات ہے۔ اور یہاں سفر ہی عبادت ٹھہرایا گیا، ایسی مشقت کی عبادت پر مقتضائے رحمت الٰہی یہی تھا کہ اس کا ثواب بھی حد سے زیادہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حج کے بعد آدمی کو اپنی مغفرت کا یقین کرنا چاہیے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص عرفات پر کھڑا ہو یعنے حج کے دن اور اس کے خیال میں یہ بات ہو کہ اس کی مغفرت نہیں ہوئی تو اس سے بڑھ کر گنہگار کوئی نہیں۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما کہتے ہیں کہ ایک روز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں مسجد منیٰ میں بیٹھا تھا کہ دو شخص حاضر ہوئے ایک انصاری دوسرا ثقفی، دونوں نے سلام عرض کر کے کہا یا رسول اللہ ہم آپ سے کچھ پوچھنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں، فرمایا اگر چاہتے ہو تو میں خود کہہ دوں کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو ورنہ تم ہی پوچھو! انہوں نے کہا حضرتؐ ہی خبر دیں تو بہتر ہے! انصاری نے ثقفی سے کہا کہ تم عرض کرو، انہوں نے کہا یا رسول اللہ میرے سوالات مع جوابات ارشاد فرمایئے! حضرتؐ نے فرمایا کہ تم اس غرض سے آئے ہو کہ جب تم اپنے گھر سے بیت اللہ کے ارادے

سے نکلو تو اس کا تمہیں کیا نفع ہوگا؟ اور بعد طواف کے دو رکعت پڑھو تو کیا نفع ہوگا؟ اور صفا و مروہ کی سعی اور عرفات میں عرفہ کے روز کھڑے رہنے کے اور رمی جمرات اور قربانی اور افاضہ میں کیا کیا فوائد ہیں؟ ان سوالات کو سن کر انہوں نے کہا اس خدا کی قسم ہے جس نے آپ کو مبعوث کیا ہے انہیں سوالات کے دریافت کی غرض میں حاضر ہوا تھا۔ پھر حضرت ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے گھر سے بقصد بیت الحرام نکلتے ہو تو تمہاری اونٹنی ایک ایک قدم اٹھا کر جو زمین پر رکھتی ہے تو ایک ایک نیکی تمہارے لئے لکھی جاتی ہے اور ایک ایک گناہ مٹایا جاتا ہے، پھر طواف کے بعد دو رکعت پڑھو گے تو اس کا ثواب ایسا ہے جیسے تم نے ایک غلام آزاد کیا جو اولاد اسماعیل علیہ السلام سے ہو، اور صفا و مردہ کی سعی کا ثواب ستر غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ہے، پھر جب میدان عرفات میں کھڑے ہوتے ہو تو خدائے تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول کر کے فرشتوں سے بطور فخر فرماتا ہے: دیکھو میرے بندے دور دور سے کیسے پریشان حال میرے لئے آئے ہیں اور ان کا مقصود فقط میری رحمت ہے، اگر ان کے گناہ ریگستان کی ریگ کے برابر ہوں یا بارش کے قطروں کے برابر یا کف دریا کے برابر ہوں تو بھی ان کو میں نے بخش دیا، اور ان کو ارشاد ہوتا ہے کہ اب تم لوٹو اس

حالت میں کہ تمہاری مغفرت ہوگئی۔ پھر جب تم رمی جمار کرتے ہو تو ایک ایک کنکری کے ساتھ ایک ایک گناہ کبیرہ جو مہلک ہے بخش دیا جاتا ہے، پھر تمہاری قربانی کا ثواب خدائے تعالیٰ کے پاس جمع رہے گا۔ پھر جب تم سر کے بال منڈھواتے ہو تو ایک ایک بال کے بدلے میں ایک ایک نیکی ملتی ہے اور ایک ایک گناہ مٹایا جاتا ہے۔ اور جب بیت اللہ کا طواف کرو تو وہ طواف ایسی حالت میں ہوگا کہ تمہارا کوئی گناہ باقی نہ رہے گا اور ایک فرشتہ کہے گا کہ: اب از سرنو عمل شروع کرو تمہارے سب پچھلے گناہ محو ہو گئے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جو شخص خدا کے واسطے حج کرے اور اس میں بیہودہ باتیں اور فسق و فجور نہ کرے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا جیسے ابھی پیدا ہوا۔

اور فرماتے ہیں: جو شخص مناسک حج ادا کرے اور مسلمان لوگ اس کے ہاتھ اور زبان سے سلامت رہیں یعنی کسی کو ایذا نہ دے تو جتنے گناہ اس نے کئے سب معاف ہو جائیں گے۔ اور فرماتے ہیں: حاجی جو مانگے اس کی دعا قبول ہے، قیامت کے روز وہ اپنی قرابت کے چار سو شخصوں کی شفاعت کریگا۔

ان کے علاوہ فضائل حج میں اور بھی روایتیں بہ کثرت وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حج میں کمال درجے کی خوشنودی الٰہی ہے۔ چونکہ بطیّب خاطر خرچ کرنا اور مصائب پر صبر کرنا مشکل کام تھا اسلیئے حق تعالیٰ نے عمر بھر میں ایک ہی حج مقرر فرمایا جس سے اہل ایمان کا امتحان مقصود ہے۔ بڑی افسوس کی بات ہوگی کہ ہم عمر بھر دعوائے عبودیت کرتے رہیں اور تمام عمر میں ایک امتحانِ عبودیت جو مقرر کیا گیا ہے اس سے بھی گریز کر جائیں!! اس سے تو یہ ثابت ہوگا کہ وہ دعویٰ زبانی ہی زبانی تھا۔ اسی وجہ سے متعدد حدیثوں میں وارد ہے کہ: جو حج نہیں کرے گا خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی اللہ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ کبھی کبھی میرا یہ قصد ہوتا ہے کہ کارندے شہروں کو روانہ کئے جائیں اور وہ دیکھ آئیں کہ کن لوگوں نے حج نہیں کیا پھر ان پر جزیہ مقرر کروں کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ اس کو مکرر فرمایا، اور فرمایا کہ: اگر لوگ کسی سال حج نہ کریں تو ان سے میں جہاد کروں گا جیسے نماز اور زکاۃ کے ترک کرنے والوں سے جہاد کروں گا۔

حج سے بندوں کا امتحان مقصود ہے

کئی طرح سے ثابت ہوتا ہے کہ حج صرف امتحان عبودیت کے لئے

مقرر کیا گیا ہے۔ دیکھئے جب احرام باندھا جاتا ہے تو غلام اور آقا بادشاہ اور رعیت سب ایک لباس میں ہوتے ہیں، سب سر برہنہ کمال خضوع اور خشوع کی حالت میں خوشبو وغیرہ تنعم کی چیزوں کے استعمال سے سب روک دیئے گئے کنگی تک کی ممانعت ہے تاکہ امرا وسلاطین بھی غلاموں کی سی صورت بنائیں اور لبیک لبیک کہتے فقیروں کی طرح نعرے لگاتے ہوئے اپنے مالک حقیقی کی حضوری میں جائیں، اس سے سلاطین اور امرا کا امتحان ہوجاتا ہے کہ آیا اس ذلت کو گوارا کرتے ہیں یا نہیں، کفار ان امور کو ہرگز قبول نہیں کرسکتے۔

چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب انجینیر نے پرچۂ اتحاد عالم صفحہ ۲۳ میں طواف خانہ کعبہ اور حجر اسود کا بوسہ اور رمی جمار اور حالت احرام کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ: ''ملانہ اسلام میں یہ سب امور ایسے اور بھی طوفان بے تمیزی اور بدتہذیبی بہت سے ہیں''۔ مگر جو اہل ایمان ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے خدا اور رسول کو بصدق دل تسلیم کرلیا تو ان کے حکم پر اس قسم کے حرکات تو کیا جان بھی اگر فدا کردیں تو کم ہے، خصوصاً اس وجہ سے کہ کمال خوشنودی الٰہی اس میں ہے، ایسے موقع میں تو مقتضائے عبودیت یہ ہے کہ اپنے مالک کی خوشنودی کے لئے یہ کام مع شئے زائد ادا کئے جائیں۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اکثر بزرگان دین دیکھے جاتے ہیں کہ اکثر حصہ اپنے اوقات کا طواف اور عمرہ میں صرف کرتے ہیں اور اس پر ان کو ناز ہوتا ہے کہ ہمارا مالک ہماری یہ حالت دیکھ کر خوش ہو رہا ہے۔ جو لوگ سلاطین کی خدمت میں رہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بادشاہوں کے خوش کرنے کے لئے کیسی حرکات کی ضرورت ہوتی ہے، ممکن نہیں کہ دوسرے وقت اس قسم کی حرکات ان سے صادر ہوں، یہاں تک تو نوبت پہونچ جاتی ہے کہ اگر بادشاہ دن کو رات کہے تو تارے دکھلانے کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اگر شہ روز را گوید شب است این
بباید گفت اینک ماہ و پروین

غرض کہ اپنے مالک کی خوشنودی کے لحاظ سے غیر معمولی حرکات کرنا مقتضائے فطرت انسانی ہے۔

حج کے فرضیت میں کئی منافع اور اغراض ہیں، منجملہ ان کے عقلی اور ایمانی امتحان بھی ملحوظ ہے، کیونکہ نہ عقل قبول کرسکتی ہے نہ ایمان حکم کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ چار دیواری میں اپنی ذات سے رہتا ہو اور وہ اس کا گھر ہو مگر اس کو ''بیت اللہ'' کہنا اور اس کا طواف کرنا اور اسی کی طرف سجدہ کرنا

ضروری ٹھہرایا گیا۔

اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ اکثر عالی فطرتوں کو خواہش ہوا کرتی ہے کہ مصائب سفر اور مشقتیں اٹھا کر اپنے مالک کی پیشگاہ میں حاضر ہوں اور اپنی عقیدت اور محبت کا ثبوت دیں۔ چونکہ حق تعالیٰ جسمانیت سے منزہ ہے جس کے لئے کوئی مقام ایسا نہیں ہوسکتا جس کی نسبت یہ کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ وہاں ساکن ہے، اس وجہ سے ان کو اپنا شوق و ذوق ظاہر کرنے کی کوئی صورت نہ تھی، رحمت الٰہی نے ان کی تمنا پوری کرنے کی یہ تدبیر کی کہ ایک مقام خاص بنام ''بیت اللہ'' زمین پر بنایا جائے تا کہ ان جانبار عشاق کی تمنائیں پوری ہوں، یہی بات اس حدیث شریف سے مستنبط ہوتی ہے کہ: جب آدم علیہ السلام جنت سے اتارے گئے حق تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ایک گھر زمین پر اتارتا ہوں جس کے گرد طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور اس کے پاس نماز پڑھی جائے گی جس طرح میرے عرش کے نزدیک پڑھی جاتی ہے۔ پھر نوح علیہ السلام کے طوفان کا زمانہ جب آیا تو وہ گھر اٹھا لیا گیا، اس کے بعد ہر چند کہ انبیاء علیھم السلام اس کا حج کیا کرتے تھے مگر اس کا مقام خاص انہیں معلوم نہیں رہتا تھا یہاں تک کہ

ابراہیم علیہ السلام نے وہاں اس کی بنیاد قائم کی۔

اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح فرشتوں کے لئے آسمانوں میں عرش ہے انسانوں کے لئے زمین پر کعبہ شریف ہے، اور عرش کو جو نسبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے وہی نسبت بیت اللہ کو ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ کو کسی مقام خاص کی ضرورت ہوتی تو عرش قدیم ہوتا حالانکہ قرآن شریف سے اس کا حادث ہونا ثابت ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ الرحمن علی العرش استوىٰ اور فرشتوں کے عرش کو گھیرے رہنے کی جو خبر دی ہے اس سے بھی اظہار تزک واحتشام اور کروفر شاہی مقصود ہے۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ حج کے روز لوگ اس پہاڑ کے پاس (یعنے عرفات میں) کھڑے ہوتے ہیں جو حد حرم سے باہر ہے اور حرم میں نہیں کھڑے ہوتے؟ فرمایا اس لئے کہ کعبہ بیت اللہ ہے اور حرم باب اللہ، جب بندے اپنے خدا کی طرف وفد بن کر آتے ہیں تو وہ پہلے دروازے کے باہر کھڑے کئے جاتے ہیں تاکہ نہایت عاجزی اور تضرع کریں۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ کہ مشعر حرام کے پاس بھی وقوف ہوتا ہے؟ فرمایا جب اندر آنے کی انہیں اجازت ہوئی تو وہ اندر تو آ گئے مگر پھر دوسرے پردے کے پاس یعنے

مزدلفہ میں روکے جاتے ہیں تاکہ پھر وہاں تضرع اور عاجزی کریں اور اس کے بعد قربانی گزراننے کی اجازت ہوتی ہے جو باعث تقرب ہے اور وہاں تمام گناہوں اور میل کچیل سے پاک و صاف ہو کر اصلاح وغیرہ بنوا کر باطہارت و زینت زیارت کرنے کی اجازت ہوتی ہے (اسی وجہ سے اس طواف کا نام طواف الزیارۃ ہے)۔ پھر اس نے پوچھا ایام تشریق میں روزے کیوں منع کیئے گئے؟ فرمایا اس لئے کہ ان دنوں لوگ خدائے تعالیٰ کی مہمانی میں ہوتے ہیں اور مہمان بغیر اجازت میزبان کے روزہ نہیں رکھ سکتا۔ پھر اس نے پوچھا کہ کعبہ شریف کا پردہ پکڑنے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی کا قصور کرتا ہے اور جب اس سے ملاقات ہوتی ہے تو اس جرم کی معافی کے لئے اس کا دامن پکڑ کر معافی چاہتا ہے۔

غرض کہ حق تعالیٰ نے اس عالم مجازی میں ایک مقام خاص میں دربار کا نقشہ قائم فرمایا تاکہ عشاق کبریائی وہاں جا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالیں، جن لوگوں کو مذاق محبت ہے اور عشق کی چاشنی چکھ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اپنے معشوق کی طرف جب کسی چیز کی نسبت ہو جاتی ہے تو اسکے ساتھ ایک خاص قسم کا ایسا تعلق ہوتا ہے جو دوسری کسی چیز سے نہیں ہوتا۔ چنانچہ

مجنوں کا قصہ مشہور ہے کہ لیلیٰ کی گلی سے ایک کتے کو نکلتے دیکھا تو بے ساختہ اس کے قدموں پر جا گرا اور رو رو کر کہنے لگا کہ یہ میری معشوقہ کی گلی کا کتا ہے۔

اب کہئے کہ محبان بارگاہ الٰہی کا اس گھر کے ساتھ کیسا تعلق ہونا چاہیے جس کو حق تعالیٰ نے اپنا گھر فرما دیا اور تمام درباداری کے لوازم وہاں قائم کیے؟! اہل ایمان چونکہ محبان بارگاہ کبریائی ہیں اس بیت اللہ کی عظمت کو ان ہی کے دل جانتے ہیں دوسرے اس کو کیا جانیں! زیادہ سے زیادہ اگر وہ قدر کریں گے تو آرائش ظاہری کی قدر کریں گے، جیسا کہ سعدیؒ فرماتے ہیں:

دیدم بہ در کعبہ دے مغبچہ میگفت

کایں خانہ بدیں خوبی آتشکدہ بایستے

جن کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام پر ایمان نہیں ان کی نظروں میں بیت اللہ ایک پتھر کی چار دیواری ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کفار کی نظروں میں ایک معمولی آدمی یا ساحر تھے، ایسے ہی لوگوں کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ

یعنے کفار نبی کو دیکھتے ہی نہیں کہ ان کی حقیت کیا ہے۔اسی طرح ان لوگوں کا بھی یہی حال ہے وہ جانتے ہی نہیں کہ بیت اللہ کی حقیقت کیا ہے۔

حج دافع فقر ہے

اور ایک امتحان یہ بھی ہے کہ متعدد حدیثوں میں وارد ہے کہ حج وعمرہ اکثر ادا کیا کرو کیونکہ وہ فقر کو ایسا دفع کرتے ہیں جیسے بھٹی سونے چاندی سے میل کو۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حج میں مال کا خرچ ہی خرچ ہے اس لئے غنی کا فقیر ہوجانا کسی قدر قرین قیاس ہے، برخلاف اس کے فقیر کا غنی ہونا باوجود رہے سہے مال خرچ ہوجانے کے ہرگز قرین قیاس نہیں! اس سے ضعیف الایمان لوگوں کا امتحان مقصود ہو تو تعجب نہیں، اس لئے کہ کامل ایمان والے تو پہلے ہی سے جان و مال کو نذر کر بیٹھے ہیں، جب سے یہ آیت سنی ہے

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

یعنے خدائے تعالے نے ایمان داروں سے ان کے جان و مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔ان کو نہ غنٰی سے مطلب ہے نہ فقر سے کام، جو کام وہ کرتے ہیں اس میں صرف اپنے مالک کی رضامندی ان کو مقصود ہوا کرتی ہے، چونکہ حق تعالیٰ اپنی کمال درجے کی خوشنودی اور بے انتہا

بشاشت حج میں ظاہر فرماتا ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جو لوگ سوار ہوکر حج کو جاتے ہیں ان کے جانوروں کے ایک ایک قدم پر ستر نیکیوں کا ثواب ان کو ملتا ہے، اور جو پیادہ پا جاتے ہیں ان کے ایک ایک قدم پر سات سونیکیوں کا ثواب ہے، جو مکہ معظّمہ سے حج کے لئے پیادہ پا نکلے یعنے مکہ سے عرفات تک پیادہ جائے تو واپس آنے تک اس کے ایک ایک قدم پر سات سونیکیاں اس قسم کی لکھی جاتی ہیں جو حسنات حرم سے ہوں، لوگوں نے عرض کیا حسنات حرم کیا ہیں؟ فرمایا ہر نیکی لاکھ نیکیوں کے برابر۔

﴿خواتین اور بوڑھوں کا جہاد فی سبیل اللہ﴾

اور فرمایا بوڑھوں بچوں ضعیفوں اور عورتوں کا حج اور عمرہ، جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جب حاجی احرام باندھ کر تلبیہ کہتا ہے تو اس کے سب گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اس کے سوا حج کے فضائل بہ کثرت وارد ہیں جن سے کمال درجے کی خوشنودی الٰہی ثابت ہوتی ہے، اس لئے کامل الایمان اپنے فقر کا خیال کرتے ہیں نہ غنیٰ کا حج کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں، باوجود اس کے کہ یہ زمانہ کمال ضعف ایمان کا ہے مگر بفضلہٖ تعالےٰ اب بھی ایسے حضرات بہ کثرت موجود ہیں۔ چنانچہ ہر سال ہزاروں فقرا دور دور سے حج کو جاتے ہیں، ان کو کتنا ہی سمجھایئے کہ تم پر حج فرض نہیں تمہاری وجہ سے

لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اہل حرمین شکایت کرتے ہیں، مگر وہ ایک نہیں سنتے۔ جب وہ گھر سے نکلتے ہیں تو تمام مصائب ان کے پیش نظر ہوتے ہیں، مال سے تو وہ پہلے ہی سبکدوش ہیں صرف جان کا کھٹکا رہتا ہے سو اس کی بھی کچھ انہیں پرواہ نہیں، "ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم" کہتے ہوئے عاشق جانباز کی طرح ان کا بڑھتا قدم پیچھے نہیں ہٹتا۔ یہ بات دوسری ہے کہ بھیک مانگتے جانا درست ہے یا نہیں؟ اس میں شک نہیں کہ کوئی عالم اس کے جواز پر ہرگز فتویٰ نہیں دے سکتا، مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کس چیز نے ان کو اس جانبازی پر مجبور کیا؟ اگر بھیک مانگ کر پیسے پیدا کرنا مقصود ہو تو ہندوستان وغیرہ سے زیادہ وہاں خیرات نہیں مل سکتی کیونکہ وہاں ہر شخص مسافر ہوتا ہے اور حالت سفر میں جس قدر پیسہ عزیز ہوتا ہے ظاہر ہے، رہے اہل حرمین سو وہ بیچارے خود غریب موسم حج میں جو کچھ انہیں تجارت وغیرہ سے مل جاتا ہے وہی ان کے سال بھر کا قوت ہے وہ فقیروں کو کیا دے سکیں۔ ہر چند وہ لوگ سخی ہیں مگر اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں فقیر نے کچھ مانگا انہوں نے کہہ دیا علی اللہ یعنے تمہارا رزق خدا پر ہے۔ غرض کوئی فقیر حج کو اس خیال سے ہرگز نہ جاتا ہوگا کہ اپنے ملک سے زیادہ وہاں بھیک سے آمدنی ہوگی۔ اس موقع پر یہی کہنا پڑے گا کہ ان

فقیروں کو عشق مضطر کر کے کشاں کشاں اس بارگاہ عظیم الشان تک پہونچا دیتا ہے۔ پھر ان کے طفیل میں اغنیاء کو بھی ایک بڑا ذخیرہ اخروی حاصل ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر ایک روپیہ خیرات کریں تو دس لاکھ روپئے کی خیرات کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اب رہا گناہ سو اس میں فقرا کی کوئی خصوصیت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو لوگ حرام کے مال سے حج کو جاتے ہیں اور جب احرام باندھ کر لبیک اللّٰھم لبیک کہتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے لا لبیک لک ولا سعدیک یعنے نہ تیرا لبیک مقبول ہے نہ سعدیک۔ ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے کیا کُل کسب معاش کے ذرائع حلال ہیں؟ بعض ائمہ کے حال میں شاید امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ہوں لکھتے ہیں کہ آپ نے جب احرام باندھا بیہوش ہو کر گر گئے تو لوگوں نے جب سبب پوچھا تو فرمایا کہ لبیک کہتے ہی مجھے خوف ہوا کہ لا لبیک لک کا اگر جواب ہو تو کیا کیا جائے۔

غرض کہ دونوں کو چاہئے کہ امیدوار فضل رہیں، کسی بات گھمنڈ وہاں چل نہیں سکتا، صرف خلوص دیکھا جاتا ہے۔ الحاصل کامل الایمان لوگوں کی حالت ہی کچھ اور ہوتی ہے جس کو ہر شخص سمجھ نہیں سکتا، ان کو خدا و رسول کے

ارشادات پر ایمان لانے میں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا۔ ضعیف الایمان بھی اگر ایمان لانا چاہیں کہ فقیر حج کرنے سے غنی ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے تو ان کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ فقیر کو غنی بنانا خدا ہی کا کام ہے، ممکن ہے کہ کوئی ایسا سبب قائم کر دے کہ نکبت اور افلاس دور ہو جائے۔ اگر تو نگری صرف عقل سے متعلق ہوتی تو دنیا میں کل عقلاء غنی ہوتے، حالانکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ اکثر عقلاء مفلوک اور مفلس رہتے ہیں، اور بہت سے حمقاء عیش و عشرت کے مزے اڑاتے ہیں اور عقلاء کے محسود بنے رہتے ہیں! ولنعم ما قیل:

اگر روزی بدانش درفزودے
زناداں تنگ تر روزی نبودے
بہ ناداں آں چناں روزی رساند
کہ صد دانا دراں حیراں بماند

﴿بعض ظاہراً مظاہر قدرت﴾

قدرت کے جلوے

خدا کی قدرت کا مشاہدہ اسی سے ہو جاتا ہے کہ بیت اللہ ایک ریگستان

اورکوہستان میں واقع ہے جہاں کھیتی تک نہیں ہوتی، باوجوداس کے جس کا جی چاہے دیکھ لے کہ کیسے لطیف اورخوشگوار میوے موسم حج میں وہاں ملتے ہیں، لاکھوں آدمیوں کا مجمع ہونے پرغنی توغنی فقیر بھی اس افراط سے میوے کھاتے ہیں کہ دوسرے اکثر مقامات میں اغنیاءکوبھی نصیب نہیں ہوتے۔

اس سے زیادہ قابل حیرت یہ حقیقت ہے کہ منٰی میں تین جمرات ہیں جن کوستر کنکریاں مارنا ضرور ہے،ان مقامات میں جہاں کنکر گرتے ہیں وہ جگہ دس پندرہ گز طول وعرض کی ہوگی،مزدلفہ کے میدان سے ہر شخص کنکر اپنے ساتھ لاکر وہاں مارتا ہے،اب دیکھئے کہ حاجی ہر سال چھ لاکھ ہوتے ہیں،جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اگرکسی سال چھ لاکھ سے کم ہوں تو فرشتے اس عدد کو پورا کرتے ہیں اور حساب سے ہر سال چار کروڑ بیس لاکھ کنکروں کا ڈھیر وہاں ہوتا ہے،اور یہ طریقہ ہزاروں سال سے جاری ہے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے حساب لگایا جائے تو اس تیرہ سوانتیس سال کے کنکروں کے تین پہاڑ ہونا چاہیئے ! حالانکہ پہاڑ تو کہاں ایک ٹیلہ بھی نہیں ہے! پھر یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ سیل میں وہ بہہ جاتے ہوں گے،اس لئے کہ وہ سیلاب کا مقام نہیں اور نہ سخت ہواؤں کا وہاں گزر ہے اور نہ حکومت کی طرف سے ان کو اٹھوانے کا کوئی اہتمام

ہے!! اس کھلے مشاہدے کے بعد ہر عاقل کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ خدائے تعالے کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں۔ اس قسم کے مشاہدات کے بعد جس کو ذرا بھی ایمان ہو اس کا ایمان قوی ہو جاتا ہے اور ان اماکن متبرکہ کی ایسی وقعت اس کے دل میں ہوتی ہے کہ جس کا بیان نہیں ہوسکتا، اور جس کو ایمان سے کوئی تعلق نہ ہو اس کے دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں، اگر ہر ایک کے دل پر یہ اثر ہونے لگے تو دنیا میں کوئی کافر نہ رہے۔ چونکہ یہ متبرک مقامات مسلمانوں کی عبادت گاہیں ہیں کفار ان کی ہمیشہ توہین کرتے رہتے ہیں۔

اسلام پر بے دینوں کا حملہ

چنانچہ میں ایک سال بعد مغرب حرم شریف میں بیٹھا تھا کہ حجر اسود کے پاس گڑبڑ ہوئی، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ کسی نے اسے نجاست لگادی ہے۔ کفار تو کفار بعضے مسلمان صورت بھی ان کے ہم زبان اور ہم خیال ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب انجینیر رنگون پرچہء ''اتحاد مذاہب عالم'' کے جلد (۱) نمبر (۱۔۲) سنہ ۱۹۰۸ء میں لکھتے ہیں کہ: ''ملانہ اسلام نے کعبہ کو پارسنات کا بھائی ظاہر کر کے جس کو چھوتے ہی سونا بن جائے گا کا چکما دیکر ٹکڑ گداؤں تک کے لئے حج عام کر دیا، حجر

اسود جو سیاہ پتھر ہے اس کو چومنے یا چھونے کا ذکر، رمی جمار کنکریوں سے بزعم خود ملانہ اسلام کے شیطان کو مارنے کا ذکر، میقات سے احرام میں داخلہ کا ذکر، سات مرتبہ کعبہ کے گرد گھومنے کا ذکر، تہہ بند اور بے سلا کپڑا وقت احرام باندھنے اوڑھنے کا ذکر قرآن بھر میں کہیں نہیں ہے، مگر ملانہ اسلام کے حج میں یہ سب اور ایسے اور بھی طوفان بدتمیزی و بدتہذیبی بہت سے موجود ہیں،،

﴿کیا اطاعت رسول ﷺ بھی شرک ہے؟!﴾

مقصود یہ کہ یہ سب طوفان بدتمیزی اور بدتہذیباں معاذ اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نکالی ہوئی ہیں، اور چونکہ قرآن میں نہیں اس لئے دین سے ان کو کوئی تعلق نہیں! یہ صاحب غالباً مولوی عبد اللہ صاحب چکڑالوی کے اَتباع میں سے ہیں جنہوں نے یہ بات ایجاد کی ہے کہ سوائے قرآن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں۔ مولوی عبد اللہ صاحب چکڑالوی نے مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے مقابلہ میں صفحہ نمبر ۳ میں لکھا ہے:

''اگر بالفرض اطیعوا الرسول سے محمد رسول اللہ سلام علیہ یا کوئی اور غیر اللہ میں سے مراد لیا جائے تو خواہ مخواہ بلا چون و چرا ماننا پڑے گا کہ عباد

اللہ دو حکموں کی فرماں برداری کے مکلّف ہیں، ایک اللہ تعالےٰ کا اور دوسرا حکم محمد رسول اللہ سلام علیہ کا ماننا ان کا ضروری ہے۔ چونکہ صفحہ نمبر ۱۲ کے مطابق ان الحکم الا للہ حکم بھی اللہ ہی کا خاصہ ہے پھر محمد رسول اللہ سلام علیہ کو حکمرانی کا مستحق تصور کرنا شرک نہیں تو کیا ہے"۔ صفحہ (۱۷) "اگر بالفرض آپ پر بہتان وافترا کیا جائے کہ آپ نے کبھی بھی اپنی تمام عمر میں ایک حدیث قولی یا فعلی یا تقریری دین اسلام کے بارے میں سوائے عبارۃ النص قرآن مجید کے فرمائی ہے معاذ اللہ حاشا للہ ایسی بھاری تہمت ہے جیسا یہ کوئی کہہ دے کہ آپ اللہ تعالی کی عبادت بھی کیا کرتے تھے اور بت پرستی بھی کیا کرتے تھے"۔ صفحہ (۲): جس طرح سابقہ رسل وانبیاء کی احادیث ماسوائے کتب منزلہ من اللہ دین اسلام میں شمار نہیں کی گئیں اور نہ ان کو بدرجۂ اعتبار مانا گیا اسی طرح محمد رسول اللہ سلام علیہ کی بھی احادیث ماسوائے قرآن مجید دین اسلام میں ہرگز ہرگز قابل اعتبار نہیں اس لئے کہ وہ سب محض افترا و بہتان ہیں"۔ صفحہ (۱۸): غرض کہ جملہ کتب منزلہ میں ہر ایک کتاب خصوصاً قرآن مجید میں جملہ احکام وتمام مسائل دین اسلام کے بارے میں مباح تک بھی ہر سال کامل مکمل مفصل مشرح کافی شافی وافی عافی ہوتے ہیں، ان کے کسی مسئلہ میں اجمال واشکال نہیں ہوتا

کما قال اللہ تعالیٰ: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ،
وقولہ تعالیٰ : وَمَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ۔

ان عبارتوں سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) جتنی حدیثیں قولی یا فعلی یا تقریری حدیث کی کتابوں میں ہیں کوئی قابل اعتبار نہیں بلکہ افترا ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کو منسوب کرنا ایسا ہے جیسے بت پرستی کی تہمت لگانی۔

تواتر:

معمولی عقل کا آدمی اگر ذرا غور کرے تو معلوم ہو کہ سو پچاس آدمی کسی بات کی خبر دیتے ہیں تو اس کا یقین ہو جاتا ہے، دیکھئے فرانس، امریکہ وغیرہ کو دیکھے ہوئے لوگ ہر شہر میں کتنے ہوتے ہیں؟ مگر ان ہی چند لوگوں کی خبروں سے سننے والوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ دنیا میں ان شہروں کا وجود ہے۔ برخلاف اس کے اسلام کے کل فرقوں کی لاکھوں کتابیں قدیم وجدید گواہی دے رہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں موجود ہیں، مگر مولوی صاحب یہی کہے جاتے ہیں کہ یہ سب افترا ہے! ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کو عقل نہیں جو بداہت کا انکار کرتے ہیں، مگر یہ ضرور کہیں گے کہ دین حق کا مقابلہ کرنے والا جب تک اتنا شوخ چشم نہ ہو مقابلہ نہیں کر سکتا،

دیکھ لیجئے کفار علانیہ معجزے دیکھتے تھے مگر ڈھٹائی سے الٹا سیدھا جواب دے دیتے تھے، اسی طرح مولوی صاحب اگر تواتر کا انکار کریں تو ان کا فرض منصبی ہے، کیونکہ تواتر مشاہدے سے زیادہ نہیں ہے گو دونوں مفید علم ہوں۔ ''افادۃ الافہام'' میں ہم لکھ آئے ہیں کہ ہر زمانہ میں اس قسم کے لوگ بکثرت ہوا کئے، ان کے واقعات بھی لکھے گئے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ کیسی کیسی تدابیر سے انہوں نے مسلمانوں کو تباہ کیا۔ پچھلے زمانوں میں اتفاقاً کوئی شخص ایسا نکلتا تھا، اب تو بقول شخص ڈربہ کھل گیا ہے ہر طرف سے یہی ہانک پکار رہے ہے کہ آج یہ نکلا اور کل وہ نکلا۔

قابل توجہ یہ بات ہے کہ جس کا اثر پڑتا ہے ہمارے سنی حضرات ہی پر پڑتا ہے۔ قادیانی، نیچری وغیرہ نے الحاد کی عام دعوت دی اور تبلیغ کر رہے ہیں مگر نہ کوئی اہل یورپ نے ان کی بات مانی نہ ہندوؤں نے نہ اور کسی اسلامی فرقہ نے خدا ہماری جماعت کو سلامت رکھے یہی حضرات سخی ہیں کہ ہر ایک کی مراد پوری کرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کے شریک حال ہو کر ان کا ایک گروہ بنا دیتے ہیں، عقل سے معذور ہوں تو ہوں بے تعصب اور منصف اس درجے کے کہ جس نے کچھ کہہ دیا اس کو کمال غور سے دیکھیں گے اور بے علمی اور کم عقلی سے جواب نہ سوجھے تو اسی کا نام انصاف رکھیں

گے کہ وہ مان لیا جائے!! ادھر جاہلوں کو شکار کرنے کے ہتکنڈے ہاتھ لگ گئے ہیں وہ ایسے دام بچھاتے ہیں کہ خواہ مخواہ ان میں پھنس جائیں، اگر علم ہوتو ان کی مکاریاں اور جعل سازیوں کا جواب دے سکیں، پھر عقل پر ناز ہے کہ ہم ہر چیز کو خوب سمجھ سکتے ہیں!! اگر کچھ خرچ کر کے ایمان خریدا ہوتا تو اس کے کھو جانے کا کچھ غم ہوتا، وہ تو باپ دادا کی کمائی تھی مال میراث کی طرح بیدریغ لٹا دینی کوئی مشکل بات نہیں۔ اگر ایک روپیہ کوئی دھوکا دے کر لیجائے تو عمر بھر یاد رکھیں گے مگر کوئی پھسلا کر ایمان لیجائے تو اس کی کچھ پروانہیں۔ اب کہیے کہ ان کو ایمان سے کیا تعلق!! پھر ایسوں کا اہل اسلام میں رہنے سے فائدہ ہی کیا بلکہ ایسے لوگوں کو لوگوں تو علحدہ ہو جانا ہی قرین مصلحت ہے: خس کم جہاں پاک! البتہ قابل افسوس یہ ہوگا کہ کوئی ایماندار آدمی بے ایمان ہو جائے۔ تعجب نہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہو کہ ''آخری زمانے میں جو فتنے ہوں ان کو مکروہ نہ سمجھو''۔ بہر حال یہ دعا کرنا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ اہل ایمان کو استقامت عطا فرمائے کہ اخیر زمانے کے فتنوں سے محفوظ رہیں۔

(۲) ''اگر اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی فرض ہوتو دو

حکموں کی اطاعت فرض ہوئی‘‘۔ معلوم نہیں یہ کہاں کا قاعدہ ہے؟ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ بادشاہ اپنے وزیر بلکہ چھوٹے چھوٹے عہدہ داروں کی اطاعت کا حکم دیتا ہے، اور یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ وہ سب بادشاہ کے شریک اور مستقل حاکم ہوگئے۔ اسی طرح اسلامی کل فرقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو فرض سمجھتے تھے اور اب تک سمجھتے ہیں، مگر کسی نے یہ نہیں کہا کہ خدا کی طرح حضرت کا بھی حکم مستقل ہے! بلکہ جس طرح حق تعالےٰ فرماتا ہے

وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ.

اسی طرح یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت عین اطاعت الٰہی ہے اور جو حکم حضرت کا ہے وہ خدا ہی کا حکم ہے، جیسے مدار المہام وغیرہ کے احکام عین احکام شاہی سمجھے جاتے ہیں۔

یہاں یہ دیکھنا چاہئے کہ اطاعت کے کیا معنیٰ ہیں؟ ہر لغت کی کتاب میں ہے کہ اطاعت فرماں برداری کا نام ہے، اس سے ثابت ہے کہ اطاعت کرنے کے لئے ایک فرمان کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً بادشاہ اپنی اطاعت کرانا چاہے تو پہلے فرمان جاری کرے گا جس پر عمل کرنے والے مطیع اور فرماں بردار اور نہ کرنے والے عاصی اور نافرمان سمجھے جائیں

گے۔اسی طرح خدائے تعالی کی اطاعت کے لئے اس کے فرمان کی ضرورت ہے اور رسول کی اطاعت کے لئے ان کے فرمان کی۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ خدائے تعالےٰ کا فرمان تو قرآن مجید ہے جس پر عمل کرنے کے ہم مامور ہیں اور اس پر عمل کرنے سے مطیع سمجھے جائیں گے اب رہا رسول کا فرمان سووہ احادیث ہیں، جو کوئی احادیث پر عمل کرے گا وہ ان کا مطیع سمجھا جائے گا۔ یہی بات مسلمانوں کے کل فرقوں میں مسلّم اور معروف ہے، یہ بات دوسری ہے کہ بعضے احادیث موضوع اور ضعیف ہونے کی وجہ سے واجب العمل نہیں، یہاں کلام اس میں ہے کہ جب رسول کی اطاعت کا حکم ہے تو ان کا فرمان بھی ہونا چاہیے جس کے مطابق عمل کرنے سے آدمی فرماں بردار سمجھا جائے۔ ہر ایک مسلمان جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث موجود ہیں جو اسلام کے ہر فرقے کے لوگ ان پر عمل کرتے ہیں،کوئی اسلامی فرقہ ایسا نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری کو ضروری نہیں سمجھتا۔

اب بقول چکڑالوی صاحب اطیعوا الرسول میں رسول سے مراد قرآن ہے تو یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہوگی کہ قرآن جو خود فرمان الٰہی ہے اس کا بھی کوئی فرمان ہے؟ مثلاً خدائے تعالےٰ کا فرمان اقیموا الصلوٰۃ ہے تو

اقیموا الصلوٰۃ کا بھی کوئی فرمان ہوگا جس کی فرماں برداری سے رسول (یعنے قرآن) کی اطاعت ہوگی! کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ مطاع اور اس کے حکم میں مغائرت بالذات ہوا کرتی ہے۔

اسلام کے فرقوں میں معتزلہ جو حکماء و فلاسفہ کے کاسہ لیس ہیں ان کو بعضے امور میں احادیث کے ترک کرنے کی ضرورت تھی اس کا اثر انہوں نے صرف احادیث ہی پر ڈالا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ماننے میں تامل نہیں مگر قطعی طور پر ان کا ثبوت نہیں۔ نیچری اور قادیانی وغیرہ انہیں تقریروں سے کام لیا جائے جن کے جوابات ہم نے ''افادۃ الافہام'' اور ''حقیقۃ الفقہ'' میں لکھے ہیں۔

چکڑالوی صاحب نے دیکھا کہ مسلمانوں میں بعضے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و مذمت کیا کرتے ہیں اور سنا جاتا ہے کہ کلمۂ توحید میں کان محمد رسول اللہ کہا کرتے ہیں جس کا منشا یہ ہے کہ اب آپ کی رسالت ہی باقی نہیں رہی! انہوں نے کہا کہ ایسے شخص کے ماننے کی ضرورت ہی کیا؟ ان کو اسلام میں کوئی دخل ہی نہیں اسلئے اطیعوا الرسول سے مراد قرآن ہے اور اس پر یہ استدلال کیا کہ ان الحکم الا اللہ (یعنے حکم اللہ ہی کے لئے خاص ہے۔) اگرچہ کان رسول اللہ کہنے والوں کی خوشی تو ہوئی

ہوگی مگر تعصب مذہبی یعنے عمل بالحدیث چندروز عامل بالقرآن ہونے کا مانع رہے گا، پھر چونکہ مسلک قریب قریب ہے تعجب نہیں کہ یہ تعصب بھی چندروز میں کم ہوجائے۔

﴿کیا حدیث رسول ﷺ کی ضرورت نہیں؟!﴾

(۳)''قرآن شریف میں کل مسائل دینی مباح تک مفصل مذکور ہیں اس لئے احادیث کی کوئی ضرورت نہیں''۔ یہ درست ہے مگر کل مسائل قرآن شریف سے نکالنا ہر شخص کا کام نہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام تھا۔اسی تحریر کے زمانے میں مولوی شیخ چٹو صاحب اہل قرآن نے ایک پرچہ مورخہ ۲۰/ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء میرے پاس روانہ فرمایا جس میں سوال یہ تھا کہ: اگر کوئی اپنی زوجہ کے ساتھ لواطت کرے تو اس کا حکم قرآن سے کیا ہے؟ اہل قرآن نے جواب دیا

وَإِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ

میں ہلاکت نسل سے مراد لواطت، جلق، وطی حیوانات وغیرہ ہے، اور جزاء اس کی اس آیہ شریف میں مذکور ہے

إِنَّمَا جَزَآؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِى الْأَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوا اَوْ يُصَلَّبُوا اَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ اَوْ

یُنفَوۡا مِنَ الۡأَرۡضِ.

کہ یہ کام کرنے والے سولی پر چڑھائے جائیں اور شادی شدہ بدکاروں کی سزا قتل اور قطاع الطریق کی سزا ہاتھ پاؤں کاٹنے ہیں اور یہ جزا جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُھَا ہے۔

لیجئے قرآن شریف جس کی نسبت تبیاناً لکل شیء وتفصیلاً لکل شیء وغیرہ وارد ہے اس سے: مفصل، مشرح، کافی شافی، وافی، عافی طور پر مسئلہ ثابت ہوا کہ ایک بیچارہ گوشہ نشین اس خیال سے کہ کہیں زنا میں مبتلا نہ ہو جائیں جلقکرے اس کی سزا بحسب جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا تو یہ ہو کہ سولی پر چڑھایا جائے اور قطاع الطریق جو لوگوں کو قتل کریں، مال لوٹیں، نقض امن کریں، ان کی سزا یہ کہ صرف ہاتھ پاؤں کاٹ کے چھوڑ دیئے جائیں اور وہ بھی جزاء سیئۃ مثلھا! اور یہی حکم قرآن شریف مفصل مشرح وغیرہ وغیرہ سے ہو تو کیا کوئی عاقل یا جاہل اس کا قائل ہو سکتا ہے کہ قرآن ایسا بے تکا حکم کرے گا؟! اگر نطفہ کو ضائع کرنا سولی چڑھانے کا باعث ہے تو لازم آئے گا کہ ہر کسی کے ساتھ ایک لگائی لگی رہے جہاں چند روز بے تعلقی یا بے اختلاطی سے گزرے یا احتلام ہو گیا ہو تو پولیس کا فرض ہے کہ جرم ویھلک الحرث والنسل میں اس کو پھانسیں اور پھانسی پر فوراً

دے گھسیٹیں، کیونکہ حد شرعی کے قائم کرنے میں دیر نہ ہونی چاہیئے!! کیا کوئی عاقل یا جاہل کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مسئلہ ''مشرح ومصرح'' قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے! اب کہیئے کہ کل مسائل قرآن شریف سے نکالنا کیا ہر شخص کا کام ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، جب تک منجانب اللہ تعلیم نہ ہو ممکن نہیں کہ کوئی یہ دعوی کرسکے۔ یہ انہیں کا کام ہے جن کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ یعنے اپنی خواہش سے وہ کوئی بات نہیں کہتے جتنی باتیں وہ دینی تعلیم میں کہتے ہیں سب اللہ کی وحی سے ہوتی ہیں۔ یہ منصب تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو عطا کیا گیا جیسا کہ قرآن شریف میں ہے

كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ O

یعنے ''ہم نے ایک رسول تم ہی میں سے منتخب کرکے تم میں بھیجا جو ہماری آیتیں تمہیں سناتے ہیں اور تم کو پاک کرتے ہیں اور قرآن اور حکمت کی تعلیم کرتے ہیں اور ان باتوں کی تعلیم کرتے ہیں جو تم نہیں جانتے''۔ دیکھئے اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ مسائل معلوم نہیں ہوتے گو قرآن میں ہیں مگر ان کی تعلیم کرنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام تھا۔ اور مولوی

صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ سب قرآن شریف میں مفصل اور مصرح ہیں! پھر جو مسئلہ کہ اس سے نکالا اس کو بھی آپ نے دیکھ لیا کہ ادنی سی بات یعنے جلق پر پھانسی کی سزا مقرر کر دی اور اس جرأت کے ساتھ کہ وہ قرآن میں مصرح اور مفصل مذکور ہے! ''نسل'' لغت میں اولاد کو کہتے ہیں اور مولوی صاحب نے وہ ''نطفہ'' کا نام رکھ دیا کیونکہ اس سے اولاد پیدا ہوتی ہے پھر اولاد کے قتل کی جو سزا تھی وہی نطفہ کے ضائع کر دینے کی مقرر کر دی!! تعجب نہیں کہ آئندہ چل کر اس شخص کے لئے بھی پھانسی کی سزا مقرر کر دیں جو کسی کا کھانا کھا لے یا تلف کر دے! اس لئے کہ آخر کھانے ہی سے نطفہ اور اولاد پیدا ہوتی ہے، اس پر یہ دعویٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بے اعتبار اور اپنی تعلیم قابل اعتبار ہے:

گر ہمیں مکتب است وایں ملا

کار ایماں تمام خواہد شد

﴿وحی کی حقیقت﴾

مولوی صاحب جو قرآن کو رسول ٹھہراتے ہیں غرض اس سے یہ ہے کہ قرآن کے جو معنی خود وہ بیان کریں وہی معتبر مانے جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات نہ مانی جائے! جس کا مطلب کھلے لفظوں

میں یہ ہوا کہ خود وہ رسول اللہ ہیں کہ احکام الٰہی کی تبلیغ کر رہے ہیں! ایسے بھی لوگ دنیا میں ہوں گے کہ انہیں کو رسول اللہ بنالیں گے چنانچہ ابھی سے ایک کمیٹی بھی قائم ہو چکی ہے اور چندہ فراہم ہو رہا ہے اور بہت زور و شور سے فتوے شائع ہو رہے ہیں۔ خیر وہ جانیں اور ان کی امت مگر مسلمانوں کو یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ جتنے مسائل و احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں وہ سب ایک قسم کی وحی ہیں جو ان ھو الا وحی یوحی سے صاف ظاہر ہے، اس وجہ سے صحابہ اور امت نے احادیث کو محفوظ کر لیا جو کتب احادیث میں موجود ہیں۔ ظاہراً قرآن و حدیث میں کوئی فرق نہیں جیسے قرآن وحی ہے حدیث بھی وحی ہے جیسا کہ آیت مذکورہ سے ابھی معلوم ہوا۔ اور جس طرح احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہیں قرآن بھی حضرت ہی کا قول ہے، چنانچہ حق تعالیٰ قرآن شریف کی شان میں فرماتا ہے انه لقول رسول کریم وما ھو بقول شاعر کیونکہ یہ تو کسی نے دیکھا ہی نہ تھا کہ جبرئیل علیہ السلام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سنا رہے ہیں یا اور کسی طریقے سے دے رہے ہیں، جو آیت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی آپ ہی کی زبان سے لوگ سنتے تھے جس طرح آپ کی باتیں سنا کرتے تھے، کیونکہ آپ کی دونوں قسم

کی وحی معلوم اور ممتاز تھیں اس لئے قرآن کی وحی جب ہوتی تو خاص طور پر یہ فرماتے تھے کہ یہ قرآن ہے۔ وحی کی حقیقت وہی جانیں جن پر وہ اترتی ہو دوسرے کو اس کا علم کیونکر ہو سکے دیکھئے حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر وحی کی کہ ان کو دریا میں ڈال دو انہوں نے ذرا بھی اس میں توقف نہ کیا، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **واوحینا الی موسی ان ارضعیه فاذا خفت علیه فالقیه فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوه الیک وجاعلوه من المرسلین** ۔اب غور کیجئے کہ اپنے شیر خوار لڑکے کو دریا میں ڈالنا اور اس پر یہ اطمینان کہ کتنے ہی غوطے کھائے اور کتنے ہی دریائی جانور اس کے گردو پیش ہوں اس کو کچھ ضرر نہ ہوگا، اور چند روز میں وہ اپنے ہی پاس واپس آجائے گا کیا یہ آثار صرف خیال پر مرتب ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ اسی سچی وحی کا اثر تھا جس کو انہیں کا دل جانتا تھا، اب اگر کوئی ایسا شخص کہ نہ وحی کی حقیقت کبھی اس نے چکھی اور نہ وحیوں میں جو فرق ہوتا ہے اس کی خبر، اس کا انکار کرے تو ایمان داروں کے نزدیک اس کے مثال بعینہٖ ایسی ہوگی جیسے مادرزاد نابینا کہے کہ ممکن نہیں کہ دنیا میں سیاہ و سفید کا وجود ہو اور ان دونوں میں کوئی فرق ہو! جب تقریر بالا سے ان مذاہب باطلہ کی حقیقت کھل گئی کہ انہوں نے یہ بنیاد قائم کی ہے کہ

فقہ وحدیث کو باطل کر کے قرآن کے معنی میں جس طرح چاہیں تصرف و تحریف کر کے آریہ کی طرح ایک نیا مذہب بنالیں تو اب اہل ایمان کو سمجھنا چاہئے کہ یہ سب بناء الفاسد علی الفاسد ہے اس لئے ان کی کوئی بات نہ سنیں اور نہ اس میں غور وفکر کریں۔

﴿کیا کلمہ طیبہ میں نام محمد لینا شرک ہے؟!﴾

پرچہ ’’اتحاد مذاہب عالم‘‘ میں لکھا ہے کہ: نہ نماز مسلمانوں کی سی باقی رکھی نہ روزہ، نہ حج، نہ زکاۃ۔ چنانچہ نماز کی نسبت لکھا ہے کہ اُذْکُر رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَۃً سے ثابت ہے کہ اصلی رکن نماز توجہ الی اللہ ہے جو کھڑے بیٹھے چلتے پھرتے بیماری وغیرہ میں بہ آسانی ادا ہوسکتا ہے اور رکوع وغیرہ ساقط ہوجاتے ہیں، اس لئے ملا نہ نماز جو لوگ پڑھا کرتے ہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور لکھا ہے کہ: ’’حج کی غرض صرف یہی ہے کہ سست امراء کی اصلاح اس سفر کی صعوبتوں سے ہوجائے، اور دراصل ابراہیم علیہ السلام نے تجارت کی منڈی وہاں قرار دی حج سے اس کو مدد دینا ہے‘‘۔ اور لکھا ہے کہ:

’’وہ اسلام (قرآن) جس نے بت پرستوں اور بدو جیسے جاہل اقوام کو مذہب وتعلیم یافتہ اقوام پر حکمراں بنایا تھا اب وہ اسلام مرگیا، قرآنی اسلام

نے اعلیٰ درجے کی مشین بنائی تھی اس کے پرزے زنگ آلود ہو کر اپنی جگہ قائم نہیں رہے تمام پرزوں پر حدیثوں کا زنگ اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ جس سے ہر پرزے کی شکل ہی تبدیل ہوگئی ہے، موجودہ مسلمانوں میں نہ وہ کلمہ ہے نہ وہ نماز ہے نہ وہ روزہ ہے نہ وہ زکاۃ و حج وغیرہ ہے، چنانچہ کلمہ پہلے اصلی اسلام کا یہ کلمہ تھا کہ **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ** اب ملانہ اسلام کا یہ کلمہ ہے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ایک خدا ہے جس کے پیچھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس کو شرک فی الکلمہ کہنا چاہیئے، توحید کی مٹی یوں پلید کی گئی کہ اسلام کی پہلی عالیشان بنیاد کو شرک کے گوبر سے لیپ دیا، نماز میں کسی کی بھی یاد شامل نہیں یا شریک کرنے کی ممانعت قطعی ہے مگر ملانہ اسلام نے التحیات اور درود کو اندرون نماز مقرر کر کے شرک فی الصلاۃ کو قائم کر دیا! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خدا کی رحمتوں اور برکتوں کا خدا سے مطالبہ اس زمانے میں جب کہ آنحضرت اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں کیا معنی رکھتا ہے؟! کیا خبط یہ نہیں؟ یہ ٹھیک ایسا ہے اب کوئی نماز میں کہے کہ خداوندا شہنشاہ اکبر پر اپنا سلام اپنی رحمتیں برکتیں وغیرہ بھیج کر اسے ہندوستان کا پھر سے بادشاہ بنا دے“۔

﴿کیا نماز میں درود پڑھنا بھی شرک ہے؟!﴾

معترض صاحب نے جب اصلی اسلام اور ملانہ اسلام میں فرق کیا اور ملانہ اسلام کو شرک اور کفر قرار دیا تو ان کو لازمی تھا کہ کتب تواریخ سے اس کا ثبوت دیتے کہ فلاں صدی سے کلمۂ توحید وغیرہ میں تغیر واقع ہوا، اور فلاں شخص اس کا بانی ہے، اسی طرح نماز وغیرہ میں وقتاً فوقتاً تغیر ہوتا گیا اور وہ اصلی اسلام فلاں مقام میں اب تک محفوظ ہے، یا فلاں وقت تک محفوظ رہا اس کے بعد طوفان بے تمیزی عالم گیر ہوگیا، جس طرح اسلام میں جو فرقے پیدا ہوتے گئے ان کے موجدوں کے نام اور ان کے ابتدائی عقائد اور ان سے جو جو مناظرے ہوئے سب کتب تواریخ میں مفصل مذکور ہیں، اسی طرح یہ ملانہ اسلام اصلی اسلام کے بعد اگر پیدا ہوا تھا تو کسی تاریخ میں تو اس کا ذکر ہوتا! برخلاف اس کے جتنے فرقے مسلمانوں کے اس وقت موجود ہیں ان میں یہ سب امور جن کو معترض صاحب شرک قرار دیتے ہیں موجود ہیں، اس وقت بفضلہٖ تعالیٰ مشرق سے مغرب تک اسلام پھیلا ہوا ہے، جس مسلمان سے پوچھئے یہی کہے گا کہ یہ سب امور نسلاً بعد نسل بتواتر ہم تک پہنچے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا دین جس شرک سے منع کرتا ہے اس کی حقیقت ہی کچھ اور ہے ہر شخص اس کو نہیں جان سکتا،

کیونکہ مسلمانی چیز ہی دوسری ہے، صرف مسلمانوں کے سے نام رکھ لینے سے آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا، اس کی غوامض وہ لوگ جانتے ہیں جو عمر بھر اسلامی علوم کی خدمت کرتے رہے۔

﴿شرک فی العبادۃ اور شرک فی العمل ؟!﴾

انجینیر صاحب خود خیال کرسکتے ہیں کہ کس قدر رات دن کی فانفشانی اور دیدہ ریزی کے بعد انجینیری میں انہوں نے امتحان دیا ہوگا جس میں کامیابی کے بعد نوکری ملی، اب اگر کوئی انجینیری سے ناواقف ان کے بنائے ہوئے مکانات وغیرہ میں اعتراض کرنے لگے تو کس قدر ان کو شاق ہوگا، طرز تقریر سے ان کے معلوم ہوتا ہے کہ لات مکھی کی ضرور نوبت پہونچی گی کیونکہ ان کو تحصیل فن انجینیری اور اس کی تکمیل اور عمل میں نوبت ہی کہاں آئی کہ مسلمانوں کے دینی علوم میں جو بحر زخار ہیں ماہر ہوسکیں، باوجود اس کے اگلے پچھلے علماء کو جن کے طفیل سے ہم تک دین پہونچا مغلطات سناتے ہیں تو خاص ان کے فن میں کوئی دخل دے تو اس کا کیا حال ہوگا؟! غرض کہ ذاتی لیاقت سے کوئی تعلق نہیں، انہوں نے ایک فرقہ کو دیکھ لیا کہ مسلمانوں کو مشرک بنایا کرتے ہیں اور ''شرک فی الاعتقاد'' اور ''شرک فی العمل'' وغیرہ جو ان کے زبان زد کلمات ہیں سن لئے اور آگے نظر بڑھائی

اور کچھ آریا وغیرہ کی کتابیں بھی نظروں سے گزریں تو تیزی طبع سے یہاں تک بلند پروازیاں کیں کہ طبقۂ صحابہ تک کو مشرک بنا چھوڑا اور در باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی الزام لگا دیا، کیونکہ صحابہ ان امور کو کیا جانیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم کا وہ اثر تھا جیسا کہ اس آیت شریفہ سے ظاہر ہے یُعَلِّمُکُمُ الْکِتَابَ اس کے سوا صدہا آیتوں سے بھی ثابت ہے۔

تصور رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اب وہ حضرات (جو مسلمانوں کو بات بات میں مشرک بناتے تھے خصوصاً حنفیہ اور مشائخین کو مشرک بنانے کا تو ٹھیکہ ہی لے لیا تھا) دم بخود ہیں کہ "شرک فی الکلمہ" اور "شرک فی العبادت" وغیرہ باتیں تو وہی معمولی ہیں جو ہماری زبانوں پر دن رات جاری ہیں، مگر اس مصنوعی شرک کا گولہ بے طور داغا گیا جس سے جان بچانا مشکل ہے۔ ممکن ہے کہ چند روز سوچنے میں کوئی جواب خیال میں آجائے، تاہم اس فرقہ کے جہال پر اس کا اثر ضرور پڑے گا وہ اپنے علماء سے ضرور پوچھیں گے کہ حضرت ہم تو مسلمانوں کو بڑے ذوق وشوق سے مشرک بنائے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصور کو بھی شرک کہا کرتے تھے مگر یہ ہمارے بھی استاد نکلے کہ ہم سے

سیکھ کر ہم ہی کو مشرک بنا رہے ہیں، اور بات بھی ٹھیک ہے کہ التحیات اور درود کا پڑھنا تو ضرور مگر اس کے معنی کا خیال حرام! جس پر ''کجد ارومریز'' کی مثل صادق آتی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے برابر کے بھائی سمجھنا اور ان کی حدیثوں پر عمل کر کے اہل حدیث کہلانا البتہ محل اعتراض ہے!! اگر حدیث کے مقابلے میں اہل فقہ گمراہ ہیں تو قرآن کے مقابلے میں اہل حدیث بھی ہدایت پر نہیں ہو سکتے۔ غرض کہ اس فرقے کا کچھ نہ کچھ اثر ان کے دلوں پر ضرور ہو گا۔

﴿توقیر و تعظیم و تنزیہ رسول ہرگز شرک نہیں﴾

یہ نتیجہ اس افراط و تفریط کا ہے جو قرآن و حدیث میں توسط کی راہ جو بتلائی گئی اس کو چھوڑ کر ایک پہلو اختیار کیا گیا۔ مگر الحمد للہ اہل سنت و جماعت کے اعتقاد پر ان باتوں کا کچھ اثر نہیں ہوسکتا۔ ہمارا ایک ہی جواب ہے کہ ان وساوس شیطانی پر لاحول پڑھ کر کہیں گے کہ ہمارا دین و ایمان وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو ارشاد فرمایا اور وہ ہم تک نسلاً بعدَ نسلٍ پہونچا، کیونکہ خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں صاف فرماتا ہے کہ مسلمان لوگ جس راستے پر ہوں وہی اختیار کرو اور جو کوئی اس راستے سے جدا ہوا وہ دوزخی ہے، کما قال اللہ تعالیٰ

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيراً

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر میں حق تعالیٰ فرماتا ہے

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَّمُبَشِّراً وَنَذِيراً 0 لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا

یعنے اے پیغمبر ہم نے تم کو بھیجا احوال بتانے والے اور خوشی اور ڈر بتانے والے تا کہ تم لوگ اے مسلمانو یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور رسول کی تعظیم وتوقیر واجلال کرو، اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو۔ اگر تسبحوہ کی ضمیر خدائے تعالیٰ کی طرف راجع ہے تو ظاہر ہے کہ وہ تمام عیوب سے منزہ ہے، اور اگر سیاق کلام اور انتشار ضمائر کے لحاظ سے نبی ﷺ کی طرف راجع ہو تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنزیہ وہی ہوگی جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مناسب حال ہو، یعنے بے دین جو حضرت پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ بھی ہم جیسے ایک معمولی آدمی تھے کوئی فضیلت آپ میں نہ تھی یا ساحر تھے وغیرہ وغیرہ ان سب نقائص سے آپ پاک ہیں، جب خدائے تعالے نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرنے کا ہمیں حکم دیا اور حضرت نے تعلیم کی کہ عین نماز میں ایھا النبی کہہ

کر اپنے دل میں مجھے پکارو اور خطاب کر کے **السلام علیک** کہو تو اب ہمیں کس کا خوف ہے ع:

گر طمع خواہد زمن سلطان دین

خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اگر خوف ہے تو ان لوگوں کو ہے جو نہ خدا کی مانیں نہ رسول کی، خدائے تعالیٰ نے تو تعظیم و توقیر کرنے کو فرمایا جس سے مقصود آپ کی تعظیم و توقیر کرانی ہے، اس صورت میں آپ کی توہین خدائے تعالیٰ کی توہین ہو گی۔

معزز و مکرم لوگوں کی تعظیم کرنا ادب و اخلاق میں داخل ہے

دیکھیے خدائے تعالیٰ کو منظور تھا کہ آدم علیہ السلام کی تعظیم و توقیر ہو تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان کو سجدہ کریں، چونکہ وہ مقربین بارگاہ تھے فوراً بے چون و چرا سب سجدہ میں گر پڑے اور ابلیس گو پرانا عابد تھا مگر جنگلی تھا لگا کہنے کہ: حضرت کہاں شان مسجودیت اور کجا آدم بیچارے، ابھی مٹی پانی میں پڑے لوٹ رہے تھے بھلا یہ کیونکر ہو سکے کہ سجدہ جو خاص شان کبریائی کے شایاں ہے ان کے روبرو کیا جائے!؟ آخر اُس توہین کا جو نتیجہ ہوا ظاہر ہے۔ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے اور قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ شیطان آدمی کا جانی دشمن ہے اس کو منظور ہے کہ کسی طرح آدمیوں کو کافر

اور دوزخی بنادے، یوں تو بہت سے طریقے گمراہ کرنے کے اسے یاد ہیں مگر خاص طریقہ اس کو ایک ایسا معلوم ہے جس میں حتماً کامیابی ہو کیونکہ اس کا ذاتی تجربہ ہے کہ وہ موثر ثابت ہو گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جن حضرات کی تعظیم وتوقیر کرانی منظور ہے ان کی توہین کی جائے، اور اس کا ذریعہ یہ کہ شرک کے مضامین میں موشگافیاں کرکے اس کا دائرہ ایسا وسیع کیا جائے کہ اس تعظیم وتوقیر میں شرک کی جہت قائم ہو جائے۔ یہ طریقہ اس نے ان لوگوں کے لئے خاص کر رکھا ہے جن کو عبادت اور فضیلت ذاتی پر گھمنڈ ہو، کیونکہ ان کی نظروں میں سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی کی عظمت نہیں ہوتی کیسا ہی معزز شخص ہو ان کو حقیر دکھائی دیتا ہے۔ دیکھئے آدم علیہ السلام جیسے معزز شخص کو ابلیس نے حقیر سمجھا ہر چند خدا کے مقابلے میں ان کی کوئی عظمت نہ تھی مگر اس کو تو ان کی تعظیم اور سجدہ کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اپنی عبادت اور موحد ہونے پر اسے گھمنڈ تھا شرک کو گوارا نہ کیا اور ان کی تعظیم نہ کرکے ابدالآباد کے لئے ملعون ٹھہرا

بخلاف اس کے جو لوگ اپنے آپ کو گنہگار سمجھ کر اپنی بخشائش کی فکر میں رہتے ہیں پہلے ان کی نظر مقبولان بارگاہ الٰہی پر پڑتی ہے اور اپنے آپ کو ان کے مقابلے میں ذلیل سمجھ کر صدق دل سے ان کی تعظیم وتوقیر اس خیال

سے کرتے ہیں کہ شاید کبھی ان کی توجہ ہمارے حال پر مبذول ہوجائے اور بارگاہ الٰہی میں ہماری طرف سے بطور شفاعت کچھ عرض کردیں تو ان کی سفارش سے ہمارے دینی اور دنیوی مقاصد بہ آسانی حاصل ہوجائیں، کیونکہ صحیح حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ حق تعالیٰ ان کی دل شکنی نہیں چاہتا۔ وہ خدائے تعالیٰ کوارحم الراحمین ضرور جانتے ہیں مگر جہاں توجہ رحمت کے اور اسباب ہیں، ایک یہ بھی سبب قوی ہے کہ مقبولان بارگاہ ان سے راضی ہوں اور یہی وجہ تھی کہ صحابۂ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایسے بیٹھتے تھے کہ کوئی غلام بھی اپنے آقا کے ساتھ ایسی عاجزی نہیں کرتا، اس کی چند نظائر ہم احادیث سے ''انوار احمدی'' میں ذکر کر چکے ہیں۔ اب اگر اس لحاظ سے کہ عبادت غایت تذلل کا نام ہے یہ تذلل بھی معاذ اللہ شرک ہی کی قطار میں شریک کرلیا جائے تو نسبت دو رنگ ہوجائے گی جس کو کوئی مسلمان جائز نہیں رکھ سکتا!!

اب مشرک بنانے والے حضرات اگر کہیں کہ مشرکین بھی اپنے دیوتاؤں کی شفاعت کی امید مشرکانہ خیال ہے اور اس امید پر بزرگان دین کی تعظیم کی جائے تو وہ بھی مشرکین میں داخل ہوں گے۔ تو اس آیت شریفہ پر غور کرنا چاہیے جو حق تعالیٰ فرماتا ہے مــن ذا الــذی یشـفـع

عـنده الا باذنه یعنے کون ہے جو شفاعت کر سکے بغیر اللہ کی اجازت کے۔ اگر اس کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ خدا کی بارگاہ میں شفاعت کوئی نہیں کر سکتا تو الا باذنہ بیکار ہو جاتا ہے! حالانکہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ شفاعت و سفارش کی اجازت ہوگی، اب یہاں غور کریں کیا بتوں کو اجازت ہوگی کہ اپنے پرستش کرنے والوں کی شفاعت کریں؟! ہرگز نہیں، بلکہ اجازت ا نہیں مقبولان بارگاہ الٰہی کو ہوگی جن کی تعظیم و توقیر تمام خلق میں کرانی منظور ہے، وہ کون ہیں؟ ہمارے سید الاکوان علیہ الصلاۃ والسلام ہیں جن کی شان میں ارشاد ہے تـعـزروه وتوقروه وتسبحوه بكرة واصيلا اور ان کے اَتباع اور طفیلی جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے جو بخاری شریف وغیرہ میں موجود ہیں۔

یہاں تھوڑا سا اور بھی غور فرمالیں کہ عرصۂ محشر میں جب تمام لوگ خدائے تعالیٰ کی روبرو حاضر ہوں گے اور کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہوگی تو ایسے موقعہ میں خدائے تعالے سے خواستگار مغفرت نہ ہو کر کُل اہل محشر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کس غرض سے آئیں گے؟! اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ وہاں مصائب سے رہائی پا کر جنت میں داخل ہونے کے لئے آپ سے مدد چاہیں گے۔ اب کہیئے کہ یہ ''استعانت

بالغیر" ہوئی یا نہیں؟ اگر استعانت بالغیر مطلقاً شرک ہے تو خدائے تعالیٰ کے روبرو یہ شرک کیسا ہے؟

پھر یہ ثابت ہے کہ حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کو قبول فرما کر عموماً مقبولان بارگاہ کو شفاعت کی اجازت عطا فرمائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدائے تعالے کو اپنے مقبول بندوں کی وجاہت تمام عالم میں مسلّم کرانا منظور ہے، کیونکہ باطنی طور پر شفاعت کے اسباب ان ہی لوگوں کے حق میں قائم ہوں گے جو علم ازلی میں قابل بخشائش ٹھہر چکے تھے، ایسے لوگوں کو بطور خود نہ بخش کر ان کے لئے شفاعت کا وسیلہ قائم کرنا اس بات پر دلیل واضح ہے کہ صرف ان حضرات کو سب لوگ معزز و مکرم سمجھیں اور ان کے احسانات کے ممنون ہوں۔ اب رہی یہ بات کہ کیا شفاعت صرف قیامت ہی میں ہوگی؟ سو اس پر کوئی دلیل نہیں، بلکہ ہر مسلمان کو حکم ہے کہ مسلمانوں کی مغفرت وغیرہ کے واسطے دعا کیا کریں، یہ دعا د شفاعت نہیں تو اور کیا ہے؟!

شاید یہاں یہ اعتراض کیا جائے گا کہ اولیاء اللہ کی زیارت کو جا کر ان سے مرادیں مانتے ہیں یہ شرک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی حاجت روائیوں کے واسطے شفاعت طلب کرنا تو کسی طرح شرک نہیں ہوسکتا، اب

رہا یہ کہ وہ سنتے ہیں یا نہیں سو یہ مسئلہ دوسرا ہے، اس کی دلائل کتب کلامیہ میں مذکورہ ہیں، اتنا تو قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ خدائے تعالیٰ ان لوگوں کی باتیں سنا سکتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ : ان اللہ یُسمِع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور یعنے تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اور اللہ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے۔ جب یہ ثابت ہے کہ خدائے تعالیٰ ان کو زائرین کی باتیں سناتا ہے جیسا کہ احادیث میں مذکورہ ہے تو دور رہنے والوں کے دل کی باتیں بھی ان کو سنا دے تو کیا تعجب ہے! پھر قطع نظر اس کے کہ وہ سنیں یا نہ سنیں جب خدائے تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ ان کو نیک نام کرے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تو جن امور میں لوگ ان سے شفاعت چاہتے ہیں خود ان کی حاجت روائیاں کردے تو کیا بعید ہے! یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ صدہا سال گزر گئے ہیں مگر اولیاء اللہ کی قبروں پر میلے لگے رہتے ہیں۔ اگر لوگوں کی مرادیں ان کے طفیل میں حاصل نہ ہوتیں تو کس کو غرض تھی کہ مشقتیں اٹھا کر ان کی زیارتوں کو جائے اور ہزاروں روپیہ ایصال ثواب کے لئے خرچ کرے! یہ فقط ان کی مقبولیت کا اثر ہے، ورنہ صدہا سلاطین مر گئے اور اپنا نام باقی رکھنے کے لئے لاکھوں روپیوں کی گنبدوں میں مدفون ہوئے مگر کوئی ان کو پوچھتا بھی نہیں۔ صحیح حدیث

شریف میں وارد ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ اس کے یہی اسباب ہوتے ہیں کہ لوگوں کی مرادیں ان کے طفیل میں حاصل ہونے لگتی ہیں، جب خدائے تعالے اپنے دوستوں کا حامی ہو تو ان کی توہین کرنے اور مسلمانوں کو ان کی تعظیم و توقیر کرنے سے "مشرک" بنانا کس قدر خدائے تعالیٰ کے مرضی کے خلاف ہوگا؟! ہاں اس کا اہتمام کرنا ضرور ہے کہ ان کی نسبت یہ خیال نہ کیا جائے کہ اگر خدائے تعالیٰ کسی کام کو نہ بھی چاہے تو وہ مستقل طور پر کر سکتے ہیں۔

الحاصل شرک کے دائرے کو اس قدر وسیع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ حتیٰ الامکان کل یا اکثر مسلمان اس میں داخل ہو جائیں۔ اسی توسیع پسندی کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ جن کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں کل مسلمانوں بلکہ صحابہ تک کو مشرک قرار دے رہے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

کلام اس میں تھا کہ مولوی انجینیر صاحب درود وغیرہ کو شرک بتاتے ہیں، ان کو یہ خیال کرنا چاہیئے تھا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً ۔ یعنے اللہ تعالیٰ اور فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں، اے مسلمانو! تم

بھی ان پر درود اور سلام بھیجو۔ جب حق تعالیٰ نے ہمیں درود وسلام بھیجنے کا حکم فرمایا ہے تو ہم اس امر الٰہی کے امتثال میں جب تک مشغول رہیں گے عبادت الٰہی میں رہیں گے خواہ نماز میں ہوں یا خارج نماز۔ معلوم نہیں کہ نماز میں عبادت کرنا کیوں برا سمجھا جا رہا ہے۔

انجینیر صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ درود اور رحمت الٰہی کیا چیز ہے انہوں نے اس کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ درود وسلام بھیجنا حضرت کو دنیا میں واپس بلانا ہے! جیسا کہ انہوں نے جو مثال اکبر بادشاہ کی دی ہے اس سے واضح ہے۔ اب کہئے کہ ایسے سمجھ والے شخص کو دین سے کیا تعلق! جاہل سے جاہل مسلمان بھی درود کے یہ معنیٰ نہیں سمجھتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو عالَم مابعد الموت پر ایمان ہی نہیں ہے، ان کا خیال ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اسی عالم میں ہے، نہ دوسرا عالم ہے نہ اس میں رحمت الٰہی کی ضرورت ہے۔ کل اہل اسلام جانتے ہیں کہ جس شخص کا آخرت پر ایمان نہ ہو وہ مسلمان ہی نہیں کیونکہ تمام قرآن شریف میں مضمون یؤمنون باللہ والیوم الآخر صدہا جگہ مذکور ہے، اب جو لوگ ان کے نام اور دعوائے عمل بالقرآن کو دیکھ کر دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں ان کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ صرف دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔

دیکھ لیجئے کلمۂ طیبہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ: ''محمد رسول اللہ سے توحید کی مٹی پلید کی''۔ اور معاذ اللہ اس جملے کو گوبر کے ساتھ تشبیہ دی، اب ان میں اور آریہ وغیرہ مخالفین اسلام میں فرق کرنے کی کیا ضرورت ہے؟! جیسے آریہ وغیرہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مغلظات سناتے ہیں اور ہمارے دین کی توہین کرتے ہیں یہ بھی وہی کام کررہے ہیں۔ تمام مسلمانوں بلکہ صحابہ تک کو مشرک کہہ دیا اور درباطن قرآن پر الزام لگایا کہ اب تک قرآن نے جو تعلیم کی ہے جس کے تمام مسلمان قائل ہیں یہ شرک کی تعلیم تھی!! اب بھی اگر مسلمان لوگ ان کو مسلمان اور اہل قرآن سمجھیں تو ان کی عقل کی خوبی ہے۔

انہوں نے جو انجمن قائم کی ہے جس کے مقاصد یہ ہیں: اتحاد مذاہب، عالم تعصب کی بیخ کنی، کتب الہامی کی باہمی مساواتوں کو پبلک میں پیش کرنا، ادیان مختلفہ کی باہمی نقائص دور کرنے کے لئے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دکھانا، وغیرہ وغیرہ۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ ان کو خاص اسلام سے کوئی تعلق نہیں، جو نسبت ان کو اسلام کے ساتھ ہی وہی کل مذاہب کے ساتھ ہے، البتہ مغلظات سنانے میں مسلمانوں کی طرف ان کا روئے سخن زیادہ ہے اس وجہ سے کہ مسلمانوں کی حالت جو ان دنوں ہے

ظاہر ہے۔

انجینیر صاحب نے جو کل مذاہب کو ایک کرنے کی تجویز نکالی ہے اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ کسی گورنمنٹ کی رعیت ایسا قاعدہ قرار دے کہ سب گورنمنٹوں کے نزدیک جو بات مسلّم ہو مثلاً یہ کہ ہر گورنمنٹ کا فرض منصبی انتظام ہے سو ہم اپنے طور پر کرلیں گے خاص خاص ٹکسس وغیرہ خدمات جو گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہیں ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ تو کیا ایسے لوگ کسی ایک گورنمنٹ کی رعیت سمجھے جائیں گے یا سب سے باغی سمجھے جائیں گے؟!

اگرچہ انجینیر صاحب کی انجمن کا مقصود یہ ہے کہ تمام روئے زمین کے مذاہب ایک ہو جائیں تو سب جھگڑے مٹ جائیں گے۔ مگر یہ صرف خیال ہی خیال ہے تعصب مذہبی کسی مذہب والے کو ہرگز اس طرف آنے نہ دے گا، اور جن کو تعصب مذہبی نہ ہو ان کی لا مذہبی خود ایک مذہب بن جائے گی اور اس میں تعصب ضرور ہوگا۔ دیکھ لیجئے کہ جتنے لا مذہب ہیں ان کو اتنا تعصب ہے جو کہ اہل مذہب کو بھی نہیں، باوجود یکہ مسلمان کہلاتے ہیں مگر جن لوگوں کو مسلمان سمجھتے ہیں ان کی توہین میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے خصوصاً مولوی اور مشائخین کے تو خون کے پیاسے ہیں،

کہیے یہ تعصب نہیں تو کیا ہے۔

ندوۃ العلماء اس غرض سے قائم ہوا تھا کہ کل اہل مذاہب میں باہمی صلح کرائیں، مگر بجائے صلح کے ایک نئی مخالفت قائم ہوگئی! چنانچہ طرفین سے رسالہ بازیاں اتنی ہوئیں کہ ہزار ہا روپیہ اس میں صرف ہوئے اور پہلے سے جن علماء ومشائخین میں اتحاد مذہبی کی وجہ سے اتحاد تھا ان میں سخت دشمنی واقع ہوگئی، حالانکہ اس میں کل مذاہب کو ایک کرنا مقصود نہ تھا بلکہ صاف اعلان دیا گیا تھا کہ ہر مذہب والے اپنے مذہب پر قائم رہے مگر صرف باہمی جھگڑے ترک کردیں۔ غرض کہ انجمن اتحاد مذاہب عالم ایک نئی مخالفت کی بنیاد قائم کر رہی ہے، چنانچہ ابھی سے دل آزار کلمات کی بھرمار شروع ہوگئی۔ کون مسلمان ہوگا کہ کلمۂ طیبہ جس پر دین اسلام کا دارومدار ہے اس کی نسبت معاذ اللہ یہ الفاظ سنے "محمد رسول اللہ نے توحید کی مٹی پلید کی اور اسلام کی بنیاد کو شرک کے گوبر سے لیپ دیا" اور اس کو غصہ نہ آئے!! کیا ایسے کلمات نقض امن کے باعث نہ ہوں گے؟ کیا مسلمانوں کی اشتعال طبع اس سے نہ ہوگی؟ یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ کروڑہا مسلمانوں کی دل آزاری کی جائے!! ہم نے مانا کہ مسلمان اس وقت کچھ کر نہیں سکتے جس کی وجہ سے ہر کس و ناکس کو اس قسم کی توہین پر جرأت ہوتی ہے۔

طلبہ دین اور علماء نہ گھبرائیں

اہل اسلام تو اُن کی ان چند تقریروں کو سن کر ''مشتے نمونہ از خروارے'' سمجھ جائیں گے اور ان مذاہب کو تو دہ طوفان سے زیادہ دقعت نہ دیں گے، مگر ہمارے نو خیز علماء کی فکر ہے کہ یہ حضرات ''ملانہ'' کے لفظ سے بہت ہی گھبراتے ہیں۔ چنانچہ اسی ہیبت کے مارے کہ کہیں دیندار عالم ہونے پر گواہی نہ قائم ہو جائے جس سے ''ملانہ'' کہنے کا کسی کو موقع مل جائے اکثر طلبۂ دین اور مولوی داڑھی کو رخصت ہی کر دیتے ہیں۔ جلسۂ دستار بندی کے موقع پر چند ساعتوں کے لئے عالمانہ لباس جو زیب بدن کیا تھا طاق نسیان میں رکھ کر اس اندیشہ میں رہتے ہیں کہ کہیں کوئی یاد کر کے ملانہ پن کا دھبہ نہ لگا دے۔ اگر یہ حضرات جس طرح الظاھر عنوان الباطن کا کچھ خیال نہ کر کے ہم شکل ہو گئے ہم زبان بھی ہو جائیں اور ہاں میں ہاں ملانے لگیں تو بڑی مشکل ہوگی!! خدائے تعالیٰ ان حضرات کو استقامت فی الدین عطا فرما کر گروہ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِم میں شریک فرما دے۔ آمین

ان حضرات پر لازمی ہے کہ ان آیات شریفہ کے مضمون میں غور و فکر کیا کریں قولہ تعالیٰ

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا یُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ

مَسْئُولًا 0 قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا 0 قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا 0 قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا 0 أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا 0

یعنے: حالانکہ یہی لوگ اس سے پہلے خدا سے عہد کر چکے تھے کہ دشمنوں کے مقابلے میں پیٹھ نہ پھیریں گے اور اس عہد سے باز پرس ہوگی، اے پیغمبران سے کہو کہ اگر تم موت یا قتل کے خوف سے بھاگتے ہو تو یہ بھاگنا کچھ بھی نفع نہ دے گا، اور بھاگ بھی گئے تو دنیا میں بھی تھوڑا افائدہ اٹھاؤ گے۔ اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ خدا تمہارے ساتھ کوئی برائی کرنی چاہے تو کون اس سے بچاسکے، یا تم پر اپنا فضل کرنا چاہے تو کون اس کو روک سکتا ہے، اور خدا کے سوا کوئی دوست اور مددگار وہ نہ پائیں گے۔ خدا ان لوگوں کو خوب جانتا ہے کہ کون تم میں سے دیر کرتے ہیں اور اپنے

بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف چلے آؤ اور جنگ میں بہت کم آتے ہیں وہ تمہاری مدد کرنے میں بخل کرتے ہیں پھر جب ڈر کی کوئی بات پیش ہو جاتی ہے تو ان کو دیکھتے ہو کہ مایوسانہ تم کو دیکھتے ہیں ان کی آنکھیں ایسی گھومتی ہیں جیسے کسی پر بے ہوشی طاری ہو پھر جب ڈر کا وقت گیا تو دل خراش باتوں سے تم کو ایذا دیتے ہیں، خیر پر وہ بہت بخیل ہیں، یہ لوگ حقیقۃ ایمان لائے ہی نہیں تو خدا نے ان کے ہر عمل کو جو کچھ بھی انہوں نے کئے تھے اکارت کر دیا اور اللہ کے نزدیک یہ آسان سی بات ہے۔

﴿مخالفت کے سبب بھاگ کھڑے ہونے والے کی وعید﴾

دیکھئے موقعہ جنگ میں جا کر شہید ہو جانا کوئی آسان بات نہیں! مگر جن لوگوں نے باوجود اقرار شرکت کے بمقتضائے بشریت اس سے پہلوتہی کی ان کو کیسی زجر و توبیخ ہو رہی ہے، یہاں تک تو ہوا کہ ان کے اعمال حبط کر دئے گئے! اب یہ حضرات غور فرمائیں کہ جب دینی مدارس میں علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے گئے اور مخالفین اسلام کے مقابلے کا سامان اور آلات فراہم کر لیا تو گویا یہ وعدہ کیا کہ ہم ان کے مقابلے میں پیٹھ نہ پھیریں گے، پھر اگر ان کے چند توہین آمیز کلمات کی بھی برداشت نہ کر کے ان کے مقابلے سے پیٹھ پھیر دیں تو کیا اس کی باز پرس نہ ہوگی کہ

باوجود آلات واسباب مناظرہ جمع کرنے کے کیوں جبن و بزدلی اختیار کی، اور ایسے نازک وقت میں کہ مخالفین اسلام ہر طرف سے یورشین کر رہے ہیں اور اعتراضوں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے جس سے گروہ کے گروہ اسلام سے خارج ہوتے جاتے ہیں باوجود قدرت کے اسلام کی مدد نہیں کی، اور چند روزہ زندگی کو آسودگی میں بسر کرنے کی غرض سے اسلام کو بیکسی کی حالت میں چھوڑ دیا، اور اپنے بھائیوں کو ان بے رحموں کے ہاتھ سے جو ابدالآباد کے عذابوں میں مبتلا کرتے جاتے ہیں دیکھ کر کچھ بھی غمخواری نہ کی!

حق تعالیٰ اہل اسلام کو توفیق عطا فرمائے کہ اپنے اپنے فرائض منصبی ادا کرنے میں کوتاہی نہ کریں تا کہ بہ حسب وعدہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یُنْصُرْکُمْ حق تعالیٰ کی نصرت متوجہ ہو۔

واضح رہے کہ جتنی حدیثیں اس رسالہ میں لکھی گئیں سب کنزالعمال اور ترغیب وترہیب منذریؒ میں موجود ہیں، چونکہ یہ کتابیں چھپ گئی ہیں اس لئے اصل احادیث اختصار کی غرض سے نقل نہیں کی گئیں۔

مدرسۂ نظامیہ کے تحتانی طلبہ سے عام جلسوں میں اس غرض سے تقریریں کرائی جاتی ہیں کہ ان پر رعب مجلس نہ رہے ان میں سے چند

تقریریں جن میں کسی قدر مذاق علمی ہے ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں:

☆☆☆☆☆

فضیلت آدم وآدمیان

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلاة والسلام علیٰ رسولہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد،

ایہاالسادۃ الکرام! حدیث قدسی میں وارد ہے ''کنت کنزا مخفیاً فاَحببت ان اعرف فخلقت الخلق ''جس کا مطلب یہ ہے کہ ذات بحت ایک مخفی خزانہ تھی اس کی مشیت کا اقتضا ہوا کہ اپنی ذات کو جو جمیع صفات کمالیہ کی مستجمع اور متضادہ ومتباینہ اوصاف کی جامع ہے جلوہ گر شہود و عیاں کرے اور اپنی بے رنگی کا جلوہ آئینۂ رنگ ولون میں مشاہدہ فرمائے، تو اس وقت اس نے مخلوقات کے تخلیق کا سلسلہ چھیڑا، کائنات کے تکوین کی بنیاد ڈالی اور تمام عوالم کو پیدا کر کے جلوہ افروز عالم ناسوت وشھو دھوا۔ ع:

ازخود بخود آں یار گراں مایہ سفر کرد
ہم عین سفر بود وہم او حاصل فی العین
نے نے سفرے نیست درین رہ تحقیقت

زعین شہود تو اگر دور شود غین

چونکہ جب خلقت کی بڑی اور اہم غایت جیسا کہ مذکورہ حدیث قدسی سے ظاہر ہے ''معرفت'' رکھی گئی تو اس غایت کی تکمیل کے لئے تمام موجودات میں صرف حضرت انسان ہی منظور نظر ٹھہرے، جیسا کہ ارشاد ہے قولہ تعالیٰ

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً

جس کے مضمون کو حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں سلک نظم میں منتظم فرمایا ہے ع:

آسمان بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

جب حضرت انسان بلحاظ منظور نظر ہونے کے مرضی خداوندی کے مطابق اپنی تیزی طبع کے باعث اس بھاری جوے کو اپنی گردن پر لے کر اس امانت کے ذمہ دار ہو گئے اور بطور فخر کے:

بار وجود خویش نتابد دلم زضعف
لیکن زبار عشق کشیدن ضعیف نیست

کا دعویٰ فرمانے لگے، تو اس وقت ان کے امتحان کی غرض سے ایک بھاری اور قابل رشک وحسد سلطنت کی زمام اختیار ان حضرت کے ہاتھوں میں دیا جانا مقدر ہو چکا۔

چونکہ زمینی سلطنت سب کی نظروں میں ایک بڑی نعمت عظمیٰ خیال کی جاتی تھی اس لئے جب یہ خبر عالم ملکوت کے گوش گذار ہوئی تو پھر کیا تھا؟! تمام عالم بالا میں کھلبلی اور ہلچل مچ گئی اور گوشہ گوشہ سے چہ میگوئیاں شروع ہوئیں اور اس تقسیم پر سخت ناراضگی کا اظہار ہونے لگا، کما قال تعالیٰ

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْآ أَتَجْعَلُ فِيْهَا مَن يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ

یعنے جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب اور خلیفہ بنانے والا ہوں، تو فرشتے بولے کیا تو ایسے شخص کو خلیفہ بناتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے اور خوں ریزیاں کرے، اگر تو بنانا ہی چاہتا ہے تو ہم کو بنا کیونکہ ہم شب و روز تیری تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں۔

اس وقت خدائے تعالیٰ نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کرادیا کہ انی اعلم ما لا تعلمون یعنے میں ان باتوں کو جانتا ہوں جن کا تمہیں علم بھی نہیں۔

پھر اس کے بعد اس دعویٰ کو یوں مبرہن کر دیا کہ اس خدمت کے استحقاق اور تقرر کے لئے ایک امتحان قرار دیا گیا جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اگر اس نیابت وخلافت کا کوئی مستحق ہو سکتا ہے تو وہ صرف انسان ہے، کما قال تعالیٰ:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَآئِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَآءِ هٰؤُلَآءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ 0 قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ 0 قَالَ يَآدَمُ أَنبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ أَنبَأَهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّيٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ0

یعنے: اور آدم کو سب چیزوں کے نام بتلا دیے پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے روبرو پیش کر کے فرمایا کہ اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو ہم کو ان چیزوں کے نام بتاؤ؟ بولے تو پاک ذات ہے جو کچھ تو نے ہم بتا دیا ہے اس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں بے شک وشبہ تو ہی جاننے والا اور مصلحت کا پہچاننے والا ہے، تب خدائے تعالیٰ نے آدم کو حکم دیا کہ اے آدم تم فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا دو، پھر جب آدم نے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتلا دیے تو خدا نے فرشتوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا کیوں ہم نے

نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کی سب مخفی چیزیں ہم کو معلوم ہیں اور جو کچھ تم اب ظاہر کرتے ہو وہ اور جو کچھ تم ہم سے چھپاتے تھے وہ سب ہم کو معلوم ہیں۔

فرشتوں نے اپنی خدمات تسبیح و تقدیس ظاہر کر کے خلافت الٰہی کے لئے اپنا استحقاق ثابت کرنا چاہا تھا اور انسان کے ظاہر حال سے دھوکے میں آکر اس کو مفسد اور خوں ریز بتایا کیونکہ وہ مٹی سے بنایا گیا تھا اور مٹی اجزائے مختلف الطبائع سے مرکب ہے اور جو غصیلا ہوگا وہ ضرور دوسروں پر زیادتی کرے گا۔

انسان کی عیب چینی سے فرشتوں کا یہ مطلب تھا کہ وہ خلافت الٰہی کے لائق نہیں، لیکن فرشتے انسان کی جسمانی ساخت پر اس کے دلی خیالات کو قیاس کرتے تھے اور اس قیاس میں ایک طرح پر اس دعویٰ کا شائبہ بھی تھا کہ ہم انسان کے دل کا حال جانتے ہیں، حالانکہ دلی خیالات پر مطلع ہونا خدا کا کام ہے، تو یہ جو فرمایا کہ ''اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو'' سو اس دعوے سے مراد وہی ضمنی دعویٰ ہے جو فرشتوں نے انسان کے دلی خیالات کے علم کا کیا تھا۔ خدائے تعالیٰ نے فرشتوں کو یوں قائل کیا کہ تم انسان کے دلی خیالات پر بے ہمارے بتائے مطلع ہو تو مخلوقات کے ناموں پر بھی

بدرجۂ اولیٰ مطلع ہو گے! اذ لیس فلیس۔

الحاصل خالق عالم جل وعلا نے آدمی کو ایک وضع خاص کا مخلوق بنایا ہے، اس کی طبیعت میں مختلف جذبات ہیں جن میں اعتدال کا قائم رکھنا محال نہیں تو دشوار ضرور ہے، اس میں شہوت وغضب کے تقاضے ایسے رکھے گئے ہیں جو اکثر اوقات عقل پر غالب آجاتے ہیں، غرض فطرت انسانی میں معصیت کا بہت کچھ رجحان ہے۔ فرشتے جن کو تقرب بارگاہ الٰہی کا شرف حاصل ہے اور ارواح مجردہ ہیں انہوں نے اپنے اوپر خیال کر کے سمجھا ہوگا کہ انسان اپنے میلان طبع کی وجہ سے خلافت الٰہی کے قابل نہیں معلوم ہوتا چنانچہ انہوں نے اس خدشے کو حضرت رب العزت کے حضور میں ظاہر کر کے مصلحت خلق انسان پر مطلع ہونا چاہا اور خدائے تعالیٰ نے فرشتوں پر ان کا عجز ثابت کر کے ان سے اقرار کرالیا کہ ان کا علم قاصر و محدود ہے، مگر خدائے تعالیٰ نے مصلحت خلق انسان پھر بھی ان پر ظاہر نہ کی، سچ ہے:

زاہد بہ نماز و روزہ ضبطے دارد
ساقی بہ مئے دو سالہ ربطے دارد
معلوم نہ شد کہ یار مصروف بکیست

ہر کس بخیال خویش خبطے دارد

الغرض اس طرح تائید غیبی سے حضرت انسان کا بول بالا رہا اور تمام مخالفوں کو ان کے آگے گردن طاعت خم کرتے ہی بنی، اور جس نے اس سے سرتابی کی اس کو ابدالاباد غضب ولعنت خداوندی میں مبتلا رہنا پڑا، کما قال تعالیٰ

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ

یعنے جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو شیطان کے سواء سب کے سب سجدے کے لئے جھک پڑے، اس نے نہ مانا اور شیخی میں آگیا اور نافرمان بن بیٹھا۔

حاصل کلام وخلاصۂ مرام اینکہ جب حضرت انسان اس خدمت کے ہر طرح سے مستحق ثابت ہو چکے اور اس خدمت کا پروانہ حاصل کرنے کو بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوئے تو اس وقت باری تعالیٰ نے تمام انسانوں کو جمع کر کے ان ہی کی گواہی اور شہادت سے ایک اقرارنامہ لیا چنانچہ ارشاد ہے

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى

یعنی گواہ رکھا ان کے رب نے ان ہی کو ان کے نفسوں پر کہ کیا میں تمہارا

رب نہیں ہوں؟ تو انہوں نے کہا کیوں نہیں بے شک تو ہمارا پروردگار اور پالن ہار ہے۔ ع:

این جان عاریت کہ بحافظ سپرد دوست
روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے انسان کے دل کو اس طرح کا بنایا ہے کہ از خود اس کو معلوم ہوتا رہتا ہے کہ: خدا ہے، اور اکیلا ایک ہے، اس کے لئے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے اور نہ کسی سمجھانے کی حاجت۔ انسان کا سر، اس کی قوت ملکی اور باطن آپ سے آپ گواہی دیتا ہے اور یہ خیال خود بخود اس کے دل سے پیدا ہوتا ہے۔

غرض انسان کی فطرت میں خدا اور اس کی تمام صفات کا تسلیم کرنا داخل ہے، مگر چونکہ ان حضرت کے خمیر ہی میں نسیان کا مادہ رکھا گیا تھا اس لئے جب ان بزرگوار نے ان تمام عہود و مواثیق کے بعد خلافت و نیابت کا جائزہ اور چارج لیا تو اپنی فطرتی مقتضا کے موافق خوش حالی کے نشہ میں سارے عہود و مواثیق، تمام غایات و احکام کو فراموش کر گئے اور عیش و نشاط اور رنگ رلیوں میں مصروف ہو کر فرمانے لگے:

این دفتر بے معنیٰ غرق مئے ناب اولیٰ

چونکہ یہ بزرگوار قدیمی عنایتوں کے مورد اتم تھے اس لئے اس وقت بھی خداوند تعالیٰ نے اپنے خاص لطف وکرم سے ان کو محروم نہ رکھا، اور ان کے ان بھولے ہوئے عہد ومواثیق کے تذکّر و یاد دہانی کی غرض سے وقتاً فوقتاً نبیوں کو بھیج کر مطلع کرواتا رہا۔

ان میں جو سعید ازلی تھے وہ تو اشاروں ہی میں اپنے مقصود کو پا جاتے، مگر شقی اور بد بخت کچھ دن تو راہ پر لگ جاتے پھر کچھ ایسا شیطان سر پر سوار ہو جاتا کہ تھوڑے ہی دنوں میں سیدھی راہ کو چھوڑ گمراہی اور ضلالت میں مبتلا ہو جاتے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ صرف بنی اسرائیل کی قوم بتیس سال کے عرصے میں کئی بار مرتد ہوئی اور کئی بار نبیوں کو بھیجنے کی ضرورت ہوئی۔ مگر چونکہ یہ نیابت وخلافت ارض محض امتحان کی غرض سے چند روز مستعار دی گئی تھی اور ایک روز چل کر اس کا سلسلہ بالکل منقطع ہونا تھا پھر جب آئندہ چل کر نیابت ہی کا اختتام ہونے کو تھا تو بناءً علیہ ضرور تھا کہ نبوت کا بھی خاتمہ ہو جائے، اس لئے خداوند تعالیٰ نے اس امر کو یوں پورا کیا کہ سب سے آخر میں ایک ایسے نبی کو مرسل فرمایا جو اس کے خاص برگزیدہ تھے جن کی نبوت وحقانیت کا یہ اہتمام کیا گیا کہ پہلے انبیاء سے ان کی تصدیق پر عہد و پیمان لیا گیا جیسا کہ ارشاد ہے قولہ تعالیٰ:

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَآ اٰتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذٰلِكُمْ إِصْرِىْ قَالُوٓا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ

یعنے جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ ہم نے جو تم کو اپنی کتاب اور عقل سلیم دی اور پھر ایک پیغمبر تمہارے پاس آئے اور جو کتاب تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق بھی کرے تو دیکھو ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا، اور فرمایا کہ تم نے اقرار کرلیا؟ اور ان باتوں پر جو ہم نے تم سے عہد و پیمان لیا ہے اس کو تسلیم کیا ہے؟ تو ان تماموں نے عرض کیا کہ ہاں ہم اقرار کرتے ہیں تو فرمایا: اچھا آج کے قول وقرار کے گواہ رہو اور تمہارے ساتھ ہم بھی گواہ ہیں۔

الغرض جب نبوت و رسالت کا سلسلہ اس فخر رسل اور خاتم الانبیاء کے بعد بالکل ہی مسدود کردینا قضائے الٰہی میں مقدّر ہو چکا تھا تو اس لئے نبوت و رسالت سے متعلق جتنے امور تھے ان سب کی وجہ اتم واکمل تکمیل و تتمیم کردی گئی، جیسا کہ ارشاد ہے

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ

لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

یعنے: آج میں نے تمہارے دین کو بالکل مکمل اور تم پر تمام نعمتوں کو پورا کر دیا ہے اور میں اسی سے راضی رہوں گا کہ تم دین اسلام کے پابند رہو۔

فضیلت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

جہاں دین کے متعلق تمام باتوں کی تکمیل کی گئی ہے وہاں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب بھی ایسی نازل کی گئی جو ظاہری و باطنی محاسن، صوری معنوی خوبیوں کی جامع اور حاوی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے قولہ تعالیٰ ذٰلک الکتاب لا ریب فیه. یعنے: یہ وہ کتاب ہے جس میں شک وشبہ کو بالکل دخل نہیں۔

منجملہ اس کی اور خوبیوں کے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کتاب کا افتتاح ایک ایسی آیت سے کیا گیا ہے جو خاص خصائص کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے انزل علی آیۃ لم تنزل علی نبی غیری: بسم اللہ الرحمن الرحیم یعنے مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے کہ اس سے پہلے میرے سوا کسی نبی پر نازل نہیں ہوئی تھی وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔

یہاں پر ایک شبہ وارد کیا جاتا ہے کہ یہ آیت جیسا کہ سورۂ نمل میں ہے

اِنَّہٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ وَاِنَّہٗ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اور نیز آئندہ دوسری احادیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت دوسرے انبیاء پر بھی نازل ہوئی ہے پھر تو یہ خاصۂ قرآن نہ رہا؟! اس کا جواب مختلف طریقوں سے دیا گیا ہے، منجملہ ان کے ایک یہ بھی جواب ہے کہ آیت مذکورہ بلفظہ حضرت سلیمانؑ وغیرہ پر نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ جو آیت ان پر نازل ہوئی ہے وہ اس کے ہم معنی زبان عبرانی وغیرہ میں ہے۔ تو اس کے بعد پھر کسی قسم کا تعارض باقی نہیں رہتا۔

حضرات! میری اس تمہید سے منکشف ہوگیا ہوگا کہ اس وقت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے متعلق اسرار، نکات اور فضائل پر گفتگو کرنے والا ہوں، شیخ جمال الدین ابو محمد یوسف بن موید الدین النظامی المتوفی ۵۹۰ھ کا یک شعر ہے:

ہست کلید در گنج حکیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس میں ''ب'' مبنی بر کسرہ حرف جار ہے جو یہاں اِلصاق یا استعانت کے معنی میں مستعمل ہے، اور بسم اصل میں باسم تھا کثرت استعمال نے الف کو گرادیا جس کے بعد ''بسم'' رہ گیا، ''اسم'' مفرد منصرف صحیح ہے جس کا

اعراب حالت رفعی میں ضمہ، حالت نصبی میں فتحہ اور حالت جری میں کسرہ سے ہوتا ہے۔ صورت زیر بحث میں لفظ ''اسم'' مجرور لفظاً ہے جو مضاف بہ تقدیر لام ہے کیونکہ اس کا مضاف الیہ نہ ظرف ہے اور نہ ہم جنس، اور یہاں پر اضافت عام کی بطرف خاص ہے جیسے ''خاتم حدید'' جو فائدہ بیان و وضوح کا دیتی ہے۔ اسم کے اشتقاق میں بصریوں اور کوفیوں میں اختلاف ہوا ہے، بصریوں کا خیال ہے کہ یہ ''سمو'' سے مشتق ہے جس کے معنی ''علو'' کے ہیں، کیونکہ اسم کی شان اپنے قسیمین کے اعتبار سے بلحاظ عدم احتیاج کے مرتفع اور عالی ہے اسی وجہ سے اس کو اسم کہا جاتا ہے۔ کوفیوں کا خیال ہے کہ یہ ''وسم'' سے مشتق ہے جس کے معنی علامت کے ہیں چونکہ اسم اپنے مسمّٰی کی علامت ہوا کرتا ہے اس لئے اس کو ''وسم'' سے مشتق مانا گیا ہے، مگر اس مذہب پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا جواب اب تک طرفداران کوفیین سے نہ بن پڑا اسی باعث اس مذہب کو محققین نحاۃ نے ضعیف خیال کیا ہے، وہ یہ کہ: جب فعل بھی اپنے مسمّٰی پر دلالت کرتا ہے جس کو فریق مخالف بھی تسلیم کرتا ہے تو چاہئے کہ وہ بھی اسم ہوجائے ویکون بین اقسام المقسم الواحد تباین کلی کا اصول باطل ہوجائے! حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

لفظ ''اللہ'' کا اصل بعض نحاۃ نے ''لہ'' بتلایا ہے پھر جب لام تعریف اس پر داخل ہوا تو مثل العباس والحسن وغیرھما اسماء کے جاری مجرائے علم ہوگیا ہوگا۔ بعض نحاۃ کے پاس وہ غیر مشتق اور علم ہے جس کا اطلاق واجب تعالیٰ ہی کے ساتھ مختص ہے، غیر کو اس میں شرکت نہیں، جن کی دلیل یہ آیت شریفہ ہے **ھل تعلم لہ سمیاً** یعنے تو کسی کو خدا کے سوا جانتا ہے کہ اس کا نام اللہ ہو۔

سِیَر کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ کسی شخص نے سیبویہ کو خواب میں نہایت ہشاش وبشاش اور سرخرو دیکھا تو دریافت کیا آپ کی مغفرت کا کیا باعث ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ بروقت پرسش میرا کوئی عمل کارگر اور مفید ثابت نہ ہوا مگر یہ کہ میں اپنی زندگی بھر اس کا قائل رہا کہ لفظ ''اللہ'' اعرف المعارف اور اس ذات کا علم ہے جو جمیع صفات کمالیہ کی جامع اور مستجمع ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صرف لفظ ''اللہ'' اسم اعظم ہے جو اسمائے حسنیٰ میں اصل ہے، کیونکہ تمام قرآن میں ہر اسم کے پہلے اسی سے شروع کیا گیا ہے اور تمام اسماء کی اضافت اسی کی طرف ہوتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ جب اسم اعظم ہو تو چاہئے کہ اس کے توسل کے

بعد ہر وقت دعا مقبول ہوا کرے! سواس کی وجوہ دوسری ہیں، اور یہ لفظ ''اللہ'' جیسا کہ ابھی معلوم ہوا ذات واجب تعالیٰ کا عَلَم ہے جو لفظاً مجرور اور موصوف ہے۔

اور ''الرحمٰن'' صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس میں الف نون زائدتان ہیں، اور یہ طئے شدہ مسئلہ ہے کہ کل زیادۃ فی اللفظ تفید زیادۃ فی المعنٰی اس لحاظ سے اس کے معنی زیادہ رحم اور لطف کرنے والے کے ہوئے، نحاۃ کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ غیر منصرف ہے یا منصرف؟ جنھوں نے شرط تاثیر یہ مقرر کی ہے کہ جب الف نون زائدتان کسی صفت کے صیغۃ میں پائے جائیں تو چاہیئے کہ اس کا مؤنث ''فعلانہ'' کے وزن پر نہ آئے اس لحاظ سے یہ ان کے پاس غیر منصرف ہوگا اور جنھوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا مونث ''فعلیٰ'' کے وزن پر ہونا چاہئے تو ان کے پاس منصرف ہو جائے گا، چنانچہ علامہ ابن حاجب صاحب کافیہ لکھتے ہیں ومن ثم اختلف فی رحمن یعنے ان ہی شروط کے باعث رحمٰن کے منصرف وغیر منصرف ہونے میں اختلاف ہوا ہے۔ مگر بلحاظ اس قاعدے کے وبالاضافۃ واللام ینجر بالکسر الف لام داخل ہونے کے بعد بالاتفاق منصرف ہے۔

یہ خداوند تعالیٰ کی ایک مختصہ صفت ہے اس کا استعمال اکثر مواقع میں بلا موصوف کے بھی کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے الرحمن علی العرش استوی سہیلی کا خیال ہے کہ یہ بھی اسم ہے صفت نہیں ہے، کیونکہ اعرف المعارف ہے جو خاصہ علمیت کا ہے، چنانچہ انہوں نے کفار کے اس مقولہ وما الرحمٰن (یعنے رحمٰن کیا ہے) سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر اعرف المعارف نہ ہوتا تو یہ سوال ہی درست نہ تھا، کیونکہ صفت کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ ذات مبہمہ پر دلالت کرے۔

الرحمٰن یہ صفت اول ہے اور ''رحیم'' بروزن ''فعیل'' صفت ثانی ہے جو اسم فاعل کا صیغہ ہے یہ دونوں ''رحمۃ'' سے مشتق ہیں جن کے معنی محققین کے پاس بالکل ایک ہیں مگر ''رحمٰن'' خدائے تعالے کے ساتھ مختص ہے اسی وجہ سے وہ ''رحیم'' پر مقدم ہے کیونکہ وہ مثل علم ہوگیا جس سے ذات الہ الحق کے سوا دوسرا متصف نہیں ہوسکتا، لیکن مسلیمہ کذاب کی تعریف میں جو کسی شاعر نے رحمان الیمامۃ کا استعمال کیا ہے سو وہ یا بطور شذوذ کے ہے یا یہ کہ معرف باللام مختص باللہ ہے۔ الحاصل ''الرحمٰن'' خاص ہے باعتبار لفظ کے کیونکہ اس کا اطلاق غیر اللہ پر حرام ہے، اور بلحاظ معنیٰ کے عام ہے کیونکہ یہ صفت خاصہ تمام موجودات عالم کو شامل ہے، اور ''الرحیم'' اس کے برعکس

ہے۔

ان تین اسماء (اللہ، الرحمٰن، الرحیم) کو بسم اللہ میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں تین قسم کے لوگ مخاطب ہیں، کما قال تعالٰی:

فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ

یعنے بعض لوگ تو اپنے نفس کے لئے ظالم ہیں، بعض میانہ رو، اور بعض سابق بالخیرات۔

اب اس آیت میں خداوند تعالٰی اس بات کی طرف اشارہ فرماتا ہے انا اللہ للسابقین یعنے میں سابقین کا اللہ ہوں، الرحمٰن للمقتصدین یعنے میانہ رووں کا رحمٰن ہوں، الرحیم للظالمین یعنے ظالموں کے لئے رحیم ہوں۔

اور نیز اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ میں اللہ عطاؤں کو دینے والا، رحمٰن لغزشوں سے درگزر کرنے والا، اور رحیم جفاؤں سے تجاوز کرنے والا ہوں۔ گویا خداوند تعالٰی اپنے کمال رحمت سے فرماتا ہے کہ: میں تمہارے وہ راز و اسرار جانتا ہوں کہ اگر ان سے تمہارے والدین واقف ہوں تو تم سے جدائی اختیار کرلیں، تمہاری بیوی کو معلوم ہو تو جفا کے لئے تیار ہو جائے، تمہاری لونڈی یا باندی کو معلوم ہو تو تم سے فرار ہونے اور بھاگنے پر مستعد ہو اور اگر تمہارے ہمسایہ اور پڑوسی کو معلوم ہو تو گھر دار کو تباہ

وخراب کر کے خیر باد کہنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ لطف یہ ہے کہ میں یہ سب کچھ جانتا ہوں مگر اپنے کرم اور ستاری سے ان سب کو مستور رکھتا ہوں اور فوراً انتقام نہیں لیتا تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں اللہ الرحمٰن الرحیم اور الٰہ حق کریم ہوں۔ ولنعم ما قیل فی ھذا المعنی:

اگر با پدر جنگ جوید کسے — پدر بے گماں خشم گیرد بسے
وگر خویش راضی نباشد ز خویش — چو بیگانگانش براند ز پیش
وگر بندہ چابک نیاید بکار — عزیزش ندارد خداوند گار
وگر بر رفیقاں نباشد شفیق — بفرسنگ بگریزد از وے رفیق
وگر ترک خدمت کند لشکری — شود شاہ لشکر کش از وے بری
ولیکن خداوند بالا و پست — بعصیاں درِ رزق برکس نہ بست

شرح مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ یہ تینوں اسم یعنے اللہ، الرحمٰن، الرحیم اسم اعظم ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک استاد کے سپرد کیا تا کہ ان کو تعلیم دیں، استاد نے ان سے کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو! تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ بسم اللہ کیا ہے؟ استاد نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا: بسم

اللہ کا ب خداوند تعالیٰ کی رونق، سین اس کا ارتفاع، میم اس کی مملکت پر دلالت ہے، اللہ اس بات کو بتلاتا ہے کہ وہ معبود برحق ہے جس کی طرف حاجتوں کے درپیش اور سختیوں کے نازل ہونے کے وقت تضرع اور زاری کے ساتھ توجہ کی جاتی ہے، رحمٰن دنیا اور آخرت میں مہربان ہونے کو بتلاتا ہے، اور رحیم اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ آخرت کی خاص مہربانی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوا تو ابر مشرق کی جانب دوڑا، ہواؤں میں سکون پیدا ہوگیا، سمندروں میں مدو جزر شروع ہوا، تمام بہائم نے کان لگا دیے، شیطانوں پر آسمانوں سے سنگ ساری کی گئی، اور خداوند تعالیٰ نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جو کوئی شخص کسی چیز پر بسم اللہ کہے ضرور اس میں برکت ہوگی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص دوزخ کے انیس (۱۹) زبانیہ فرشتوں سے نجات پانا چاہے تو اس کو لازم ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جس میں انیس (۱۹) حرف ہیں پڑھا کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر حرف کے عوض اس کے لئے ایک ایک بھلائی مقرر کروادیتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ استاد جب کسی شاگرد کو بسم اللہ پڑھنے کے لئے کہتا ہے تو شاگرد، استاد اور ان کے والدین کے لئے دوزخ سے براءت لکھی جاتی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جب آدمی کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو اس کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ورد کرنا چاہئیے، کیونکہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی جتنی بلاؤں کو چاہے پھیر دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو شاندار کام بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے وہ دُم بریدہ اور ناقص رہ جاتا ہے۔

عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رات میں جب گدھے پکارنے لگیں تو چاہئیے کہ **بسم اللہ** اور **اعوذ باللہ** پڑھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے تو اس کے نامۂ اعمال میں ہر حرف کے عوض چار ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں، چار ہزار گناہ مٹا دئے جاتے ہیں اور چار ہزار درجے بلند کئے جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ بسم اللہ ہر کتاب کی کنجی ہے۔

شعبی جن کا نام عامر بن شرحبیل، کنیت ابو عمرو، فقیہ فاضل سنہ ۱۰۰ ہجری

کے بعد آپ کی وفات ہوئی، مکحول فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔ شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ: کُل صحابہ کا اجماع ہو گیا ہے کہ اشعار کے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا مکروہ ہے۔

مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ سے فرمایا اے معاویہ دوات کو نیچے رکھ کر لکھا کرو، قلم کو محرف یعنے ٹیڑھا خط دو، ''ب'' کو سیدھا لکھو، ''س'' کے دندانے کھلے کھلے بناؤ، لفظ ''اللہ'' کو خوبصورت لکھو، میم کو غائر مت لکھو، ''رحمٰن'' کے نون کو بڑا لکھو، ''رحیم'' کو عمدگی سے لکھو، اور قلم کو بائیں کان پر رکھا کرو کیونکہ اس سے مضامین یاد پڑتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: جس شخص نے زمین پر سے ایک ایسے کاغذ کو جس میں بسم اللہ لکھا ہو تعظیم کی غرض سے اٹھالیا تو اللہ تعالیٰ اس کا نام صدیقوں میں لکھتا ہے اور اس کے ماں باپ پر سے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے اگر چہ کہ کافر ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بسم اللہ پڑھتے تو مشرکین مکہ آپ سے تمسخر کے طور پر کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو یمامہ کے خدا کو یاد کرتا ہے! کیونکہ مسلیمہ کذاب بھی اپنے کو رحمٰن کہلواتا تھا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس آیت کو جہر سے پڑھنے کو ممنوع فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بسم اللہ کو خفیۃً پڑھتے تھے۔ حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے باپ نے مجھ کو نماز میں بسم اللہ زور سے پڑھتے ہوئے سنا، فرمایا اے بیٹے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے مگر میں نے بسم اللہ کو جہر سے پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں سنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا اَعراب کی قراءت ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ امام کا بسم اللہ جہر سے پڑھنا بدعت ہے۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیمار ہوئے اور درد شکم نہایت سخت ہوگیا، انہوں نے خداوند تعالیٰ سے اس کی شکایت کی ، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بوٹی بتلائی جس کے استعمال کرنے سے ان کو شفا ہوگئی، دوسری دفعہ وہ مرض پھر عود کر آیا اس دفعہ حضرت نے خود جا کر اس بوٹی کو استعمال فرمایا جس سے مرض اور بڑھ گیا، اس وقت حضرتؑ نے خداوند تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے بارخدایا میں پہلے اسی بوٹی کو استعمال

کر کے صحت یاب ہو چکا ہوں اب کی بار بھی اسی کو استعمال کرتا ہوں مگر مرض بڑھتا چلا جوں جوں دوا کی !! ارشاد ہوا اے موسیٰ پہلی دفعہ تم ہمارے نام کو لیکر بوٹی کے پاس گئیے ہوئے تھے اس لئے کامیابی ہوئی، اور اس دفعہ خود سے گئیے ہو اس لئے شفا میں تاخیر ہو رہی ہے، اے موسیٰ! یاد رکھو میرا نام ہر مرض کی دوا اور ہر بیماری کا علاج ہے۔

فتوح الشام وغیرہ دیگر کتب تواریخ اور نیز تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ قیصر روم (ہرقل) نے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے ایک زمانہ سے دردسر کا عارضہ ہے جس سے دم بھر کے لئے بھی افاقہ نہیں ہوتا آپ میرے لئے کوئی دوا روانہ فرمایئے! حضرت نے اس کے پاس ایک ٹوپی روانہ فرمائی جس کو سر پر رکھنے سے اس کو فوراً تسکین ہوتی تھی، جب سر سے علحدہ کر دی جاتی تو پھر دردسر عود کر آتا، اس سے ہرقل کو نہایت تعجب ہوا اور اس ٹوپی کی تلاش شروع کی اثنائے تفتیش میں ٹوپی کے اندر سے ایک کاغذ بر آمد ہوا جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا اس وقت ہرقل نے کہا سبحان اللہ کیا بزرگ و برتر نام ہے جس کی برکت سے خدا نے مجھے شفا بخشی! اور یہ ٹوپی اس کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ بطور تبرک تر کے میں چلی آتی تھی یہاں تک کہ صاحب عموریہ تک پہونچی۔ پھر

جب معتصم باللہ کا زمانہ آیا تو اتفاقاً وہ عموریہ میں پہونچا اور وہاں اس کو شدت سے دردسر کا عارضہ لاحق ہوا اور اس وقت صاحب عموریہ نے وہ ٹوپی اس کے پاس روانہ کی جب اس نے اس تبرک کو اپنے سر پر رکھا تو فوراً اس کے دردسر میں سکون ہو گیا، معتصم کو اس سے نہایت حیرت ہوئی اور اس ٹوپی کے کھولنے کا حکم دیا جس کو ادھیڑ نے کے بعد اس میں سے ایک کاغذ کا پرچہ نکلا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔

کتب تواریخ وسیر نیز تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ایک مجوسی نے حضرت خالد بن ولید سے عرض کیا کہ تم جو دعوائے اسلام رکھتے ہو اور اپنے مذہب کے سچے ہونے کے مدعی ہو تو بتاؤ کہ تم نے اس کے سچ ہونے کو کیونکر مان لیا؟ اگر تم سچے ہو تو ہم کو بھی کوئی صداقت کی نشانی بتلاؤ! اس وقت آپ نے زہر ہلاہل اور سم قاتل طلب کیا اسی وقت آپ کے پاس زہر کا ڈبہ لایا گیا جس کا ایک چھوٹا ٹکڑا بھی مہلک اور قاتل تھا آپ نے اس میں کے تمام زہر کو اپنے ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر سب کھا گئے، اور خدا کے فضل وکرم سے آپ کو کوئی ضرر نہ پہونچا، اس وقت اس مجوسی نے کہا کہ بیشک یہ دین بالکل سچا اور برحق ہے۔

مروی ہے کہ فرعون نے دعوائے خدائی کرنے سے پہلے ایک مکان بنایا

تھا جس کے دروازے پر اللہ تعالیٰ کا نام مبارک کندہ تھا، جب دعوائے خدائی کیا اور موسیٰ علیہ السلام اس کی رہ نمائی کے لئے بھیجے گئے اور آپ جوں جوں ہدایت کرتے اثر برخلاف ظاہر ہوتا، اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند تعالیٰ سے درخواست کی کہ الٰہی میں نے اس کو راہ راست کی ہدایت کی اور وعظ و نصیحت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا اور نہ اس سے کوئی خیر کی امید ہوسکتی ہے! خداوند تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ شاید تمہارا مقصود اس کے ہلاک کرنے کا ہے؟ مگر اے موسیٰ! تم اس کے کفر کو دیکھتے ہو اور ہماری نظر اس کلمہ پر ہے جو اس کے دروازے پر کندہ ہے۔

الحاصل بسم اللہ الرحمن الرحیم میں وہ برکات مستودع ہیں جن سے مملکت دنیا و آخرت حاصل ہوسکتی ہے۔ دیکھیئے سلیمان علیہ السلام نے صرف اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمَانَ وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کی برکت سے جن وانس پر حکومت کی، اور اسی بسم اللہ کی تاثیر سے نوح علیہ السلام کی کشتی غرق کی آفت سے محفوظ رہی کیونکہ جس وقت انہوں نے کشتی کا لنگر اٹھایا تھا تو بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَ مُرْسٰھَا کا ورد فرمایا تھا۔

الغرض بسم اللہ کے اتنے فضائل، برکات، اسرار اور نکات ہیں جو حد

شمار سے باہر ہیں، اس وقت فقط اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے:

کبھی فرصت سے سن لینا بہت ہے داستاں میری

وما توفیقی الا باللّٰہ وھو حسبی ونعم الوکیل۔ وآخر دعواناان الحمد للہ رب العالمین۔ اضعف عباد اللہ الوھاب ابو تراب السید محمود الیافع اظلہ اللہ یوم لا ظل الا ظلہ تحت ظل نبیہ الشافع۔

❁❁❁❁❁❁❁

